www.urducouncil.nic.in

مارچ 2017، قیمت:- /10₹

ماهنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد:5 شمارہ:3 مارچ 2017

مدیر: پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون:49539000

شعبہ ادارت:49539009-11

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10روپے، سالانہ/100روپے

- اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبۂ فروخت کے پتے پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی-110066

فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22 تھرڈ فلور، ساجد ریز جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 1-5، پتھرگٹی، حیدرآباد-500002

فون:040-24415194

اس شمارے میں

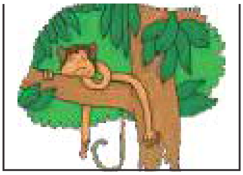

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ		05
نظم	بیٹی کی ولادت	محمد وکیل	06
عالمی یومِ خواتین	عالمی یوم خواتین	انصاری ارشد حسین	07
	بہت بڑی لڑکی	اسد رضا	09
	ایورسٹ کی فتح اور خواتین	حلیمہ فردوس	12
	کھینا چاؤلا	محمد اسد اللہ	16
نظمیں	ننھی پری	ڈاکٹر ناہید خیال اثر	19
	ماں سے یتیم بچے کا سوال	شکیل ابن شرف	20
مضمون	ٹڈا	شمس الاسلام فاروقی	21
نظمیں	ہولی	نظیر اکبرآبادی	23
	ایک پہل	فاطمہ شاہین	24
کھیل اور کھلاڑی	ٹسٹ کرکٹ میں 199 کے شکار	عبیر الٰہی	25
نظم	گوریا سے سوال	جمال اختر	28
کہانیاں	فخرو میاں	احمد عثمانی	29
سیر کر دنیا کی	لونار جھیل	شیخ رحمن اکولوی	33
کہانیاں	مقابلۂ سلیقہ مندی	سمیع الدین خاں شاداب	36
	چمپو بندر کی چالاکی	سعدیہ پروین	42
باتصویر کہانی	داستاں گو آیا ہے	رتن سنگھ	44
قسط وار داستان	قصہ حاتم طائی	حیدر بخش حیدری	48
کہکشاں	صحت مند زندگی کے رہنما	توقیر احمد فلاحی	53
	آؤ اردو سیکھیں	روپ کرشن بھٹ	54
	ہماری زبان		55
	پہیلیاں	محمد طاہر صدیقی	56
	علم	قمرالدین معین الدین شیخ	56
	معلومات	مینا زبلی شیخ عابد	57
	کتاب سے دوستی	سمیہ خانم نور خان	57
	بوجھو تو جانیں	انصاری شرجیل احمد مختار احمد	58
	سائنسی معلومات	انصاری بشریٰ فلک مختار احمد	58
	اقوالِ زریں	رونق بی ملک ستار	58
	ہنسی کے غبارے		59
	بچوں کی پینٹنگ		61
آپ کی باتیں	اردو فیس بک		62

آپس کی باتیں

دوستو! مارچ کا مہینہ جہاں سردیوں کی رخصت اور گرمیوں کا اعلان لے کر آتا ہے وہیں اس ماہ میں ہندوؤں کا تہوار ہولی بھی ہے۔ یہ رنگوں کا تہوار ہے اور اس میں سب لوگ ایک دوسرے کو رنگ لگاتے ہیں اور مبارکباد پیش کرتے ہیں جس سے سماج اور دل کی دنیا میں خوش رنگی پیدا ہوتی ہے۔ 3 مارچ 1253 کو اردو کے پہلے شاعر امیر خسرو کی پیدائش ہوئی تھی۔ انھوں نے برج بھاشا اور کھڑی بولی کے میل سے پیدا ہوئی زبان ہندوی میں اشعار اور بے شمار پہیلیاں کہیں جو بعد میں اردو کہلائی۔ ان کے دوہے، شادی کے گیت، پہیلیاں، کہہ مکرنیاں وغیرہ آج بھی بہت مقبول ہیں۔ بچوں کی نفسیات کو دیکھتے ہوئے انھوں نے بڑی دلچسپ پہیلیاں لکھی ہیں۔ ہم سب آج بھی ان سے لطف اٹھاتے ہیں۔

8 مارچ ساری دنیا میں عالمی یوم خواتین کے طور پر منایا جاتا ہے۔ سب سے پہلے یہ دن 28 فروری 1909 کو امریکہ میں منایا گیا۔ بعد میں یہ فروری کے آخری اتوار کو منایا جانے لگا۔ 1917 میں روس میں عورتوں نے اپنے حقوق اور اپنے مطالبوں کے لیے ہڑتال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اُسی سال وہاں کی حکومت نے خواتین کو ووٹ دینے کا حق دیا۔ روس میں اس وقت جولین کلینڈر رائج تھا جبکہ ساری دنیا میں گریگیرین کلینڈر چلتا تھا۔ جولین کلینڈر کے مطابق اس سال فروری کا آخری اتوار 23 تاریخ کو پڑا تھا جبکہ گریگیرین کلینڈر کے مطابق مارچ کی 8 تاریخ تھی۔ بعد میں دنیا کے بیشتر ممالک نے گریگیرین کلینڈر کو اپنا لیا اور 8 مارچ کو عالمی یوم خواتین منایا جانے لگا۔ 8 مارچ 2017 بطور یوم خواتین اپنے سو سال پورے کر رہا ہے۔ اس لیے ہم نے 'بچوں کی دنیا' کے اس شمارے کو خواتین کے عالمی دن سے منسوب کیا ہے اور اس میں آپ کو عورتوں کے حوالے سے بہت کچھ پڑھنے کو ملے گا۔ اکیسویں صدی میں خواتین ہر میدان میں ترقی کی نئی تاریخ لکھ رہی ہیں اور ہوائی جہاز اڑانے سے لے کر حکومت کے انتظامی امور کے بڑے بڑے عہدوں تک ان کی بحالی ترقی کا ثبوت ہے۔ کھیلوں میں، سیاست میں، تعلیم میں، غرض ہر میدان میں خواتین کی خدمات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ ملک میں خواتین میں تعلیم کی شرح مردوں کے مقابلے کم ہے جسے مزید بہتر کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ذہانت و کام کرنے کی قوت کسی طرح بھی مردوں سے کم نہیں ہے۔ ماضی قریب میں ایسی حکمراں خواتین اس بات کی روشن مثالیں ہیں۔ کئی ایسے شعبے ہیں جہاں خواتین کو مزید مواقع ملنے چاہئیں۔ آپ سب بھی اپنی بہن، بیٹیوں کو آگے بڑھنے اور پڑھنے میں تعاون دیں کیونکہ خواتین بعد میں پوری نسل کی آبیاری کرتی ہیں اور بچہ سب سے پہلے اپنی ماں کی گود سے ہی سیکھتا ہے اس لیے خواتین کو تعلیم یافتہ بنانا ہم سب کی ذمے داری ہے۔ کسی فلسفی کا کہنا ہے کہ اگر تم مجھے ایک بہترین ماں دو گے تو میں تم کو ایک بہترین نسل دوں گا۔ اس لیے بچو! ایک اچھے شہر کی تعمیر و تشکیل اور اچھا شہری پیدا کرنے کے لیے ایک اچھی ماں کا ہونا ضروری ہے جو ایک تعلیم یافتہ معاشرے کی ضمانت ہے۔

'بچوں کی دنیا' کے اِس شمارے میں ہولی پر بھی ایک نظم شامل ہے۔ ساتھ ہی آپ کے لیے ہم نے بہترین کہانیاں اور دیگر تحریریں جمع کی ہیں۔ شمارے پر آپ سب کی رائے کا ہمیں بے صبری سے انتظار رہے گا۔

آپ سب کو رنگوں کا تہوار ہولی بہت بہت مبارک ہو!

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

ڈاک خانہ

رسالہ 'بچوں کی دنیا' اردو زبان میں نہایت ہی شاندار ہے اور اس کے مقابل میں بچے کے کسی بھی رسالے کو نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کی خوبصورتی میں جہاں قومی اردو کونسل کا مالی تعاون ہے وہاں آپ کی ذہنی و فکری محنت نے بھی اسے خوب سے خوب تر کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ تازہ شمارہ ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے۔ اچھی اچھی کہانیاں، معلومات سے بھرے مضامین اور دلچسپ ترین قصہ حاتم طائی نے اس کی اہمیت میں چار چاند لگا دیے ہیں۔

نذیر احمد یوسفی، 'اردو دربار' رحمانیہ اسکول اسٹریٹ، آسنسول، مغربی بنگال

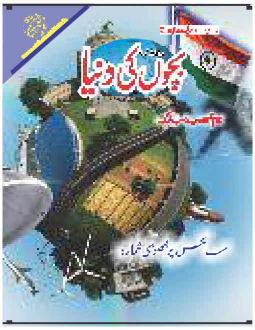

دورِ حاضر میں آپ کا ادارہ جس طرح سے اردو کی آبیاری کر رہا ہے اس کے لیے آپ کی پوری ٹیم واقعی مبارک باد کی مستحق ہے، 'اردو دنیا' اور 'بچوں کی دنیا' واقعی بہت دلچسپ اور معلوماتی ہیں وہ بھی معمولی قیمت کے عوض!

ڈاکٹر بلال مخدومی، رامسو، ضلع رام بان

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' بچوں کے لیے ایک بہترین اور انمول تحفہ ہے۔ ویسے تو بڑے بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ماہ جنوری 2017 کے شمارے میں 'آؤ اردو سیکھیں' اور 'ہماری زبان' پڑھنے کے بعد مجھے یہ احساس ہوا کہ ہم روزمرہ کی زندگی میں جو اردو کے الفاظ استعمال کرتے ہیں وہ کچھ حد تک صحیح ہوتے ہیں لیکن وہ صحیح اردو نہیں ہوتی ہے۔ سر میں آپ سے امید رکھتا ہوں کہ آپ ہر ماہ ایسے الفاظ ضرور دیں گے تاکہ ہماری اصلاح ہوتی رہے۔

قمرالدین معین الدین شیخ، بلڈنگ نمبر 8، نیو خواجہ نگر، جلگاؤں، مہاراشٹر

'بچوں کی دنیا' کسی تعریف کا محتاج نہیں اور نہ ہی اس پر تبصرہ کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ ہیں۔ میں ہر مہینے کئی رسالے پڑھتی ہوں۔ مگر جو دلچسپی اس رسالے میں ہے وہ کسی دوسرے میں نہیں۔ بظاہر تو یہ 'بچوں کی دنیا' ہے لیکن اس دنیا میں بڑے بھی سیر کر رہے ہیں۔

تحریم نورالسحر اسعد خان، خدق پورہ، بارسی ٹاکلی، اکولہ، مہاراشٹر

'بچوں کی دنیا' ہر ماہ پابندی کے ساتھ اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ باصرہ نواز ہوتا رہتا ہے اس کے مشمولات منفرد ہوتے ہیں۔ فقیر بستوی اس کے مطالعے سے مستفید ہوتا ہے۔ مضمون نگاران اور پورا عملہ قابل مبارک باد ہیں!

محمد تحسین رضا بستوی، استاذ شعبہ دینیات مدرسہ مصطفیٰ دارالعلوم، ہاٹی، کشی نگر، اتر پردیش

محمد وکیل

بیٹی کی ولادت

بیٹیوں کی ولادت پہ غم کیوں؟
باپ، ماں کی بھی ہے چشم نم کیوں؟
بیٹیاں، بیویاں، ماں، بہن سب
بد نظر کی شکار آج ہیں رب
بیٹیاں بار ہوتی نہ جائیں
خوش رہیں کیسے ساری وہ مائیں
بیٹیوں کی ولادت جو کم ہو
کیوں نہ جنت کے کھونے کا غم ہو
گھٹتی جائے گی تعداد ان سے
ہے حسیں زندگی آج جن سے
ماں، بہن، نہ ہی بیگم ملے گی
زندگی کس طرح سے کھلے گی
خود کو بدبخت ماں، باپ کہتے
وہ ولادت پہ افسردہ رہتے
قدر بیٹی کی ہیں کرنے والے
ہیں ابھی رب سے کچھ ڈرنے والے
ایسے لوگوں سے ہی التجا ہے
آدمی کی یہ کیسی ادا ہے
درس انسانیت کی سکھائیں
درد ناک ان کی ہوں گی سزائیں
نعمتوں میں ہیں یہ بیٹیاں سب
کر تحفظ عطا ان کو تو رب

Md. Wakeel C/o Ahmed Wakeel Aleemi
Holding No.5, B.L.4, P.O: Kankinara
North 24- Parganas - 743126 (West Bengal)

انصاری ارشد حسین

عالمی یومِ خواتین

عالمی یوم خواتین ہر سال دنیا بھر میں بڑے پیمانے پر منایا جاتا ہے۔ اس دن تمام ملکوں کی خواتین ملک، مذہب، ذات پات، زبان، سیاسی اور تہذیبی بھید بھاؤ کو چھوڑ کر سب ایک ساتھ جمع ہو کر اس دن کو مناتی ہیں قدیم گریس میں لیسس ٹراٹا نامی ایک خاتون نے انقلاب فرانس کے دوران جنگ کے خاتمے کی مانگ رکھتے ہوئے اس تحریک کی شروعات کی۔ فارسی خواتین کے ایک گروہ نے ورسیلس میں اس دن ایک ریلی نکالی، اس ریلی کا مقصد جنگ کی وجہ سے عورتوں پر بڑھتے ہوئے ظلم کو روکنا تھا۔

1909 میں سوشلسٹ پارٹی آف امریکہ نے پہلی بار پورے امریکہ میں 28 فروری کو عالمی یوم خواتین منایا۔ 1910 میں سوشلسٹ انٹرنیشنل کے ذریعے کوپن ہیگن میں یوم خواتین کی تشکیل ہوئی۔ 1911 میں آسٹریلیا، ڈنمارک، جرمنی اور سوئزر لینڈ میں لاکھوں خواتین نے ریلی نکالی۔ مساوی حق، سرکاری عہدوں میں جگہ، نوکری میں بھید بھاؤ کو ختم کرنے جیسے کئی مطالبے اس ریلی میں کیے گئے۔ 14-1913 میں پہلی عالمی جنگ کے دوران روسی خواتین کے ذریعے پہلی بار امن قائم رکھنے کے لیے فروری مہینہ کے آخری اتوار کو یوم خواتین منایا گیا۔ عالمی جنگ کے دوران پورے یورپ میں جنگ کے خلاف مظاہرے ہوئے۔ 1917 تک عالمی جنگ میں روس کے دو لاکھ سے زیادہ سپاہی مارے گئے۔ روسی خواتین نے روٹی اور امن کی سلامتی کے لیے اس دن ہڑتال کی۔ حالانکہ سیاسی لیڈر اس کے خلاف تھے پھر بھی خواتین نے کسی کی ایک نہیں سنی اور اپنی تحریک جاری رکھی۔ اس تحریک کی وجہ سے روس کے زار کو اپنا تخت چھوڑنا پڑا اور سرکار کو خواتین کو ووٹ دینے کے حق کا اعلان کرنا پڑا۔

یوم خواتین اب تقریباً سبھی ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں میں جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔ یہ دن عورتوں کو ان کی

معاشرتی اہمیت سماجی، سیاسی اور دیگر شعبوں میں ترقی دلانے اور ان خواتین کو یاد کرنے کا دن ہے جنھوں نے خواتین کو ان کا حق دلانے کے لیے بہت قربانیاں دیں اور محنت کی۔

ہمارے بھارت میں بھی یوم خواتین بڑے پیمانے پر منایا جانے لگا ہے۔ پورے ملک میں اس دن خواتین کو معاشرے میں ان کی عظیم قربانیوں کے لیے نوازا جاتا ہے۔ بہت ساری تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔ خواتین کے لیے کئی تنظیموں کے ذریعے نرسنگ ہوم، سیوا، جگہ جگہ خواتین کے لیے امدادی کیمپ لگائے جاتے ہیں۔ سیاست، سنگیت، فلم، صحافت اور تعلیمی شعبوں میں بہترین مظاہرے کے لیے خواتین کو مختلف انعام سے نوازا جاتا ہے۔

بھارت میں خاتون کو تعلیم کا حق، ووٹ دینے کا حق اور دیگر ضروری حقوق حاصل ہیں۔ رفتہ رفتہ حالات بدل رہے ہیں۔ بھارت میں آج خواتین آرمی، ایئرفورس، پولیس، آئی ٹی، انجینئرنگ، آرٹ اور دیگر کئی شعبوں میں مردوں کے شانہ بشانہ چل رہی ہیں۔ اب والدین بیٹے بیٹیوں میں کوئی فرق نہیں سمجھتے ہیں لیکن یہ سوچ ہمارے معاشرے کے چند گھروں تک ہی محدود ہے۔ سہی معنوں میں یوم خواتین تب ہی کامیاب ہوگا جب دنیا بھر میں خواتین کو جسمانی و دماغی روپ سے مکمل آزادی ملے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ انھیں بھی مردوں کی طرح ایک انسان سمجھا جائے جہاں وہ اپنے خاتون ہونے پر فخر کر سکیں نہ کہ پچھتاوا کہ کاش میں ایک لڑکا ہوتی۔

■

Ansari Arshad Husain Mehmudullah Hasan
Akbar Chowk, Khatik Wada
Dwule - 424001 (Maharashtra)

اسد رضا

بہت بڑی لڑکی

چونکہ وہ اپنے بھائی ناصر سے چھوٹی تھی لہٰذا ممّی پاپا اور خود ناصر بھی عالمہ کو چھوٹی ہی کہتے تھے۔ اس لیے وہ سارے محلے میں چھوٹی کے نام سے مشہور ہوگئی تھی لیکن اس کا نام ہی نہیں بلکہ قسمت بھی چھوٹی ہی تھی۔ اس لیے جب اس کے اسکول میں داخلہ کا سوال آیا تو پاپا نے چھوٹی کی ممی سے اُداس لہجے میں کہا ”ناصر کو تو ہم نے انگریزی میڈیم اسکول میں داخل کرایا تھا لیکن اب چھوٹی کو وہاں کیسے داخل کرائیں۔ میں ایک چھوٹی کمپنی میں کمپیوٹر آپریٹر ہوں۔ پندرہ ہزار تنخواہ میں سے تین ہزار مکان کے کرایے میں چلے جاتے ہیں اور تین ہزار ناصر کے اسکول کی فیس ہے۔ بقیہ نو ہزار میں ہی بڑی مشکل سے گھر کا خرچ چلتا ہے۔ اب اگر چھوٹی کو بھی اس انگریزی اسکول میں داخل کرا دیا تو دو وقت کی دال روٹی بھی مشکل سے ملے گی۔“

”ارے! عالمہ لڑکی ہی تو ہے انگریزی اسکول میں پڑھانے کی کیا ضرورت ہے۔ کون سی یہ پڑھ کر ڈپٹی کلکٹر بن جائے گی۔“ اپنی ممّی کی یہ بات چار سالہ چھوٹی کی سمجھ میں نہیں آئی لیکن وہ اتنا ضرور سمجھ گئی کہ ڈپٹی کلکٹر کوئی بڑا آدمی ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ بھی ناصر بھائی جان کے ساتھ اسکول بس میں بیٹھ کر پڑھنے جائے۔ اس نے اپنی ممی سے کئی بار بھائی کے ساتھ اسکول جانے کی ضد بھی کی تھی لیکن ممّی اسے جھڑک دیتی تھیں۔ اس نے کئی بار محسوس کیا تھا کہ بھائی کے مقابلہ میں اُسے نظرانداز کیا جاتا ہے۔ جب پاپا بازار سے کبھی امرود یا کیلے لاتے تو چھوٹی کو بس ایک ہی کیلا یا امرود دیا جاتا لیکن ممّی ناصر کو دوسرا کیلا بھی بہلا کر اور سمجھا کر کھلاتی تھیں۔ چھوٹی اگر کبھی دوسرا کیلا یا امرود کھانے کی ضد کرتی تو اسے ڈانٹ کھانی پڑتی۔ اسی طرح رات میں سونے سے پہلے

ناصر کو تو ممّی ایک کپ دودھ ضرور دیتی تھیں مگر چھوٹی کو دودھ کا کپ تبھی ملتا جب ناصر دودھ پینے سے انکار کر دیتا تھا۔ ناصر کو بھی یہ احساس تھا کہ وہ بیٹا ہے۔ اس لیے ماں باپ کا چہیتا ہے۔ اس کی ممّی اس کی ضد کے سامنے ہار جاتیں۔ ناصر کی سالگرہ بھی ہر سال منائی جاتی تھی اور ممّی غباروں اور رنگین جھنڈیوں سے گھر سجا کر چھوٹا سا کیک اپنے بیٹے سے کٹوایا کرتیں۔ ناصر کے دوچار دوست بھی سالگرہ کے موقع پر آجاتے تھے۔ سارا کمرہ ''ہیپی برتھ ڈے'' کی آواز سے گونج جاتا۔ ناصر کے دوست اور ممّی پاپا اسے چھوٹے اور سستے تحفے بھی دیتے۔ لیکن وہ تحفے ناصر اپنی بہن کو نہیں دیتا تھا۔ اس لیے چھوٹی اپنا دل مسوس کر رہ جاتی۔ ایک مرتبہ اس نے ممّی سے پوچھ ہی لیا تھا۔ ''میری سالگرہ کیوں نہیں منائی جاتی ہے۔'' ممّی نے اسے سمجھایا تھا۔ ''لڑکوں کی ہی سالگرہ منائی جاتی ہے لڑکیوں کی نہیں۔''

''مگر ممّی! میری سہیلی شہلا تو اپنی سالگرہ مناتی ہے۔''

''وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہے۔ اس کے کوئی دوسرا بہن بھائی تو نہیں ہے۔ تمہارے تو اللہ رکھے بھائی ہے۔''

چھوٹی یہ سن کر خاموش ہو جاتی۔

جنوری میں نئے سال کے لئے سرکاری اسکولوں میں جب داخلے شروع ہو گئے تو پڑوس کے سرکاری اسکول میں چھوٹی کا داخلہ نرسری کلاس میں کرادیا گیا۔ لیکن داخلہ سے پہلے ہی اس کی ممّی نے اسے سو تک گنتی، انگریزی اور ہندی کے حروف سکھلا دیئے تھے۔ اس لیے اپنی کلاس میں وہ ایک ذہین لڑکی کے طور پر مشہور ہو گئی۔ گھر پر آ کر وہ خوب پڑھتی اور لکھتی تھی۔ محلے کی اپنی سہیلیوں کے ساتھ وہ صرف آدھا گھنٹہ کھیلتی۔ کھیلنے کے بعد وہ سلیٹ پر دائرے، لائن اور لکیریں بناتے بناتے فٹ بال، انار، کیلا اور امرود کی سلیٹ پہ ہی تصویریں بنانا سیکھ گئی۔ چھوٹی کا خط بھی صاف ستھرا اور دلکش تھا۔ اس کی لکھائی کی سب تعریف کرتے۔ اسکول کی استانیاں کہتیں کہ چھوٹی عقل اور محنت کے لحاظ سے بڑی ہے۔ اس کی ممّی شروع میں اسے اسکول تک چھوڑ کر آتیں اور پھر لے بھی آتیں لیکن ایک سال بعد جب چھوٹی پہلے درجہ میں آ گئی تو وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ ہی اسکول جانے لگی لیکن وہ اسکول میں بھی اپنا زیادہ وقت پڑھائی لکھائی اور ڈرائنگ بنانے میں لگاتی۔ اگرچہ اس کا بڑا بھائی ناصر مہنگے انگریزی اسکول میں پڑھ رہا تھا اور چوتھی کلاس میں تھا لیکن پڑھنے لکھنے میں اپنی بہن کے مقابلے میں پھسڈّی تھا۔ دن میں اسکول سے آنے کے بعد وہ گھر کے باہر اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھیلتا اور رات میں ٹیلی ویژن پر بچوں کے سیریل دیکھتا تھا۔ ممّی اکثر ناصر کو سمجھاتیں کہ پڑھائی پر توجہ دو۔ وہ زیادہ ٹی وی دیکھنے سے بھی منع کرتیں لیکن اکثر ناصر کی ضد کے سامنے ہار جاتیں۔ اگر پاپا کبھی ناصر کو اس کی لاپرواہی پر ڈانٹتے بھی تو ممّی اس کی حمایت میں آجاتیں اور کہتیں ''بچہ ہے بڑا ہو کر ٹھیک ہو جائے گا۔'' چھوٹی اکثر یہ دیکھ کر اُداس ہو جاتی کہ اس کی ممّی اپنے بیٹے سے تو بہت لاڈ پیار کرتی ہیں لیکن بیٹی پر زیادہ توجہ نہیں دیتیں۔ البتہ اس کے پاپا چھوٹی کو بھی گھر پر پڑھاتے اور اس کی ہمت افزائی بھی کرتے۔ جب وہ چھٹی کلاس میں آ گئی تو ''لاڈلی'' اسکیم کے تحت چھوٹی کو وظیفہ میں کچھ سو روپے سالانہ بھی ملنے لگے۔ پہلے سال جو روپے ملے ان سے ممی نے سب گھر والوں کے لیے کپڑے خرید لیے جبکہ چھوٹی بچوں کے اردو اور انگریزی کے رسائل کی سالانہ خریدار بننا اور ایک سائبر کیفے پر کمپیوٹر چلانا سیکھنا چاہتی تھی۔ اگلے سال جب چھوٹی کو وظیفے کی رقم ملی تو اس نے پاپا سے بچوں کے

رسائل منگانے اور کمپیوٹر سیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو ممی کی مخالفت کے باوجود پاپا نے وظیفے کی ساری رقم اس کی مرضی کے مطابق خرچ کرنے کا نہ صرف وعدہ کیا بلکہ وعدہ پورا بھی کیا۔

عالمہ عرف چھوٹی اب کمپیوٹر بھی سیکھ گئی تھی۔ وہ بچوں کے سائنس سے متعلق رسائل کی سالانہ خریدار بھی بن گئی تھی۔ اس کی قابلیت کا اسکول میں ہی نہیں محلّے میں بھی چرچا ہونے لگا تھا لیکن وہ پڑھنے میں جتنی ہوشیار تھی، اس کا بھائی ناصر اتنا ہی کمزور تھا۔ اس کے اسکول سے شکایتیں بھی آنا شروع ہوگئی تھیں۔ ممی کے لاڈ پیار سے وہ ایک حد تک بگڑنے لگا تھا۔

دسویں کا امتحان تو اس نے تھرڈ گریڈ سے پاس کرلیا تھا لیکن بارہویں میں وہ فیل ہوگیا تھا اور اسکول نے اسے دوبارہ داخلہ دینے سے انکار کردیا تھا۔ اس لیے پاپا نے اسے آئی ٹی آئی میں داخل کرا دیا تھا۔ جہاں وہ الیکٹریشن کا کورس کرنے لگا۔

چھوٹی نے دسویں کا امتحان اے گریڈ سے پاس کیا اور اپنی کلاس میں پہلی پوزیشن حاصل کی تو اسے مزید وظیفہ ملنے لگا۔ لیکن وظیفے کی رقم کو وہ کتابیں اور رسائل خریدنے میں خرچ کرتی۔ اب اس نے کمپیوٹر بھی لے لیا تھا۔ بارہویں کا امتحان دینے کے بعد چھوٹی نے آئی آئی ٹی کی تیاری کے لیے ایک کوچنگ سینٹر میں بھی داخلہ لے لیا تھا۔ بارہویں کے امتحان میں جب اس نے سارے ہندوستان میں چھٹی پوزیشن حاصل کی تو سارے شہر میں اس کا ذکر ہونے لگا۔ اخبارات میں اس کے انٹرویو اور فوٹو چھپے۔ ایک انٹرویو میں اس نے کہا ’ہمت‘ کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا۔ محنت اور لگن اگر منصوبہ بند طریقے سے کی جائے تو کامیابی ضرور قدم چومتی ہے۔“

آئی آئی ٹی یعنی انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میں طلبا وطالبات کا داخلہ سخت مقابلہ جاتی امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ چھوٹی نے چونکہ رات دن محنت کی تھی لہٰذا اس کا داخلہ ملک کے باوقار آئی آئی ٹی میں ہوگیا۔ اگرچہ اس انسٹی ٹیوٹ میں فیس کافی زیادہ تھی اور چھوٹی کے پاپا کی آمدنی کم تھی لیکن اپنے وظائف کی رقوم سے اس نے اپنے پاپا پر فیس کا بوجھ نہیں پڑنے دیا۔ آئی آئی ٹی میں داخلہ کے بعد چھوٹی نے بارہویں اور دسویں کے طلبا وطالبات کو ٹیوشن پڑھا کر بھی اپنے خرچے آرام سے پورے کرنے شروع کردیے۔ کبھی کبھی وہ اپنے پاپا کو بھی کچھ رقم دے دیتی۔ اب تو اس کی ممی بھی اپنی بیٹی کی تعریف اور بیٹے کی برائی کرنے لگی تھیں۔ آئی آئی ٹی میں بھی چھوٹی نے پانچویں پوزیشن حاصل کی تو ایم ٹیک کرنے سے پہلے ہی اسے ایک کوریائی کمپنی میں اچھی تنخواہ کی ملازمت مل گئی۔ لیکن یہ ملازمت ہی اس کی منزل نہیں تھی۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ ہی چھوٹی نے آئی اے ایس یعنی انڈین ایڈمنسٹریٹو سروسز کی تیاری شروع کردی۔ اس نے ایک کوچنگ سینٹر میں بھی داخلہ لے لیا تھا۔

چھوٹی نے اپنی محنت، لگن اور منصوبہ بند تیاری کی بدولت آئی اے ایس کے امتحان میں اچھی پوزیشن حاصل کی۔ آج کل وہ ضلع کلکٹر ہے اور اپنے بنگلے میں والدین کے ساتھ رہتی ہے۔ اس نے اپنے بھائی ناصر کو بھی بجلی کے سامان کا اسٹور کھلوا دیا ہے۔ اسی لیے کل اس کی ممی کہہ رہی تھیں ”چھوٹی اب چھوٹی نہیں رہی بلکہ بہت بڑی لڑکی بن گئی ہے۔ اسی لیے والدین اپنی بیٹیوں کو بیٹوں کے مقابلے میں نظر انداز نہ کریں۔“

■

Asad Raza
97 F Sector - 7, Jasola Vihar
New Delhi - 110025

حلیمہ فردوس

ایورسٹ کی فتح اور خواتین

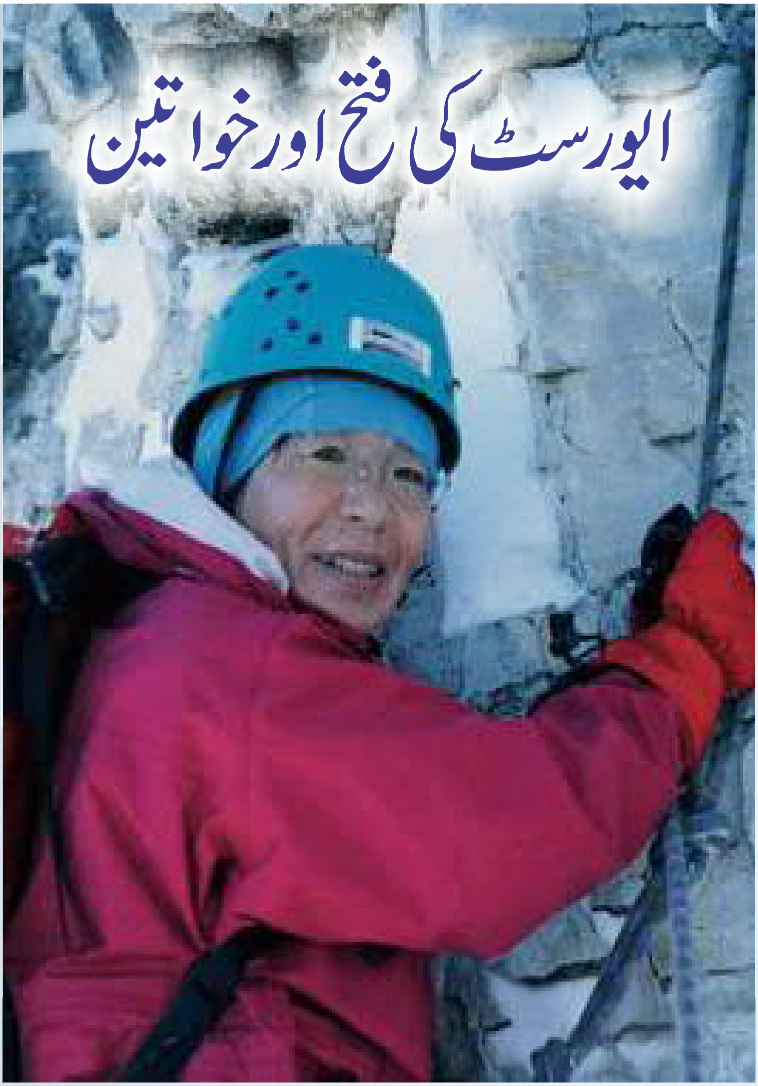

مشغلے وقت گزاری کا نتیجہ نہیں ہوتے بلکہ فرصت کے لمحات کا صحیح مصرف ہوتے ہیں۔ ہر شخص اپنا من پسند مشغلہ اپنا تا ہے۔ جب کوئی مشغلہ جنون کی صورت اختیار کرتا ہے تو وہ ناموری کا ذریعہ بنتا ہے۔ ان مشغلوں کے ذریعے کوئی نایاب و نادر ڈاک ٹکٹ کے ذخیرہ کا مالک بن بیٹھتا ہے تو کوئی مختلف ممالک کے سکّے جمع کر کے گینس بک (Guinness Book) میں اپنا نام درج کراتا ہے۔ کوہ پیمائی بھی ایک ایسا ہی مشغلہ ہے۔ جب اس کا جنون سرچڑھ کر بولتا ہے تو راہ میں آنے والی مشکلیں آسان ہوجاتی ہیں۔ دیگر ممالک کی طرح ہمارے ملک میں بھی کوہ پیمائی کی تربیت کے لیے سرکاری اور غیر سرکاری ادارے قائم کیے گئے ہیں۔ کوہ پیمائی کا ذکر آتے ہی ذہن میں دنیا کی سب سے اونچی چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹی نگاہوں کے سامنے گھوم جاتی ہے۔

ایورسٹ کی فتح کی تاریخ بڑی طویل ہے۔ ایک عرصہ تک دنیا کے بے شمار کوہ پیماؤں نے اس چوٹی کو سر کرنے کی کوشش کی آخر کار 1953 میں نیوزی لینڈ کے شہری ایڈمنڈ ہیلری اور نیپال کے شیرپا تین جنگ نارگے کو فتح حاصل ہوئی۔ یہ ایورسٹ کی چڑھائی کرنے والے پہلے مرد فاتح تھے۔

کوہ پیمائی کی مہم میں مردوں کے ساتھ عورتوں نے بھی اپنے جنون کا ثبوت دیا۔ کہاوت مشہور ہے کہ ''جو ہاتھ جھولا جھلا سکتے ہیں وہ حکومت بھی کر سکتے ہیں'' آج خواتین کے کارناموں کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ جو ہاتھ جھولا جھلا سکتے ہیں وہ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ جاپانی شہری جنکو تیمی ماؤنٹ ایورسٹ مہم سر کرنے والی خاتون دنیا کی پہلی خاتون ہیں جبکہ بچھندری پال کا نام ہندوستان کی پہلی خاتون کوہ پیما کے طور پر لیا جاتا ہے۔

ہمارے فاتح کوہ پیما اس بات کو مانتے ہیں کہ ”کوہ پیمائی کے ذریعہ انسان میں خود اعتمادی، قائدانہ صلاحیت ، اطاعت پسندی اور صبر کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔“

بچو! آج کوہ پیمائی سے متعلق ان خواتین کی جرأت اور جنون کی بات کرتے ہیں جن کا نام فخر سے لیا جاتا ہے۔ جاپان ،چین، ہندوستان، ایران اور پولینڈ کی خواتین نے ایورسٹ کی چڑھائی کرکے ثابت کردیا کہ وہ اس میدان میں مردوں سے پیچھے نہیں ہیں۔

جنکوتیبی (Junko Tabei) ماؤنٹ ایورسٹ کی چڑھائی کرنے والی پہلی خاتون ہیں۔ 1975 میں ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ انھوں نے ایورسٹ کی چوٹی پر قدم رکھنے کا خواب تو دیکھا ہی تھا اس کے علاوہ ان کی خواہش تھی کہ ایورسٹ کی وادی کو سیب کے درختوں سے آباد کیا جائے اور یہاں کے ماحول میں تبدیلی لائی جائے۔ وہ ایورسٹ کی مہم سر کرنے کے بعد بھی نیپال کا دورہ کرتی رہیں۔ وہ یہاں کی مختلف سماجی، ماحولیاتی اور تعلیمی سرگرمیوں میں حصہ لیتی رہیں۔ انھوں نے سلوکھومبو (Khumbu) کی ترائی میں ہمالیہ چوٹی کی 8,848 میٹر کی اونچائی کی مناسبت سے اتنے ہی سیب کے پودے لگانے کا ارادہ کیا جبکہ انھیں تقریباً 1,100 پودے لگانے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ ان کی اس انوکھی مہم کا مقصد نیپال کو فضائی آلودگی سے بچانا اور مقامی باشندوں کی معاشی حالت میں سدھار لانا تھا۔ نیپالیوں نے اس رحم دل خاتون کو سر آنکھوں پر بٹھایا۔ سال 2003 میں ایورسٹ مہم کی گولڈن جوبلی کے موقع پر انھیں خلوص بھرے تحفوں سے نوازا گیا اور شاندار پیمانے پر ان کی عزت افزائی کی گئی۔ اس موقع پر نیپال کے علاوہ ہندوستان میں بھی گولڈن جوبلی تقریبات منائی گئیں۔ ہمارے ملک کی خواتین کے کارناموں کو یاد کیا گیا اور یادگاری ڈاک ٹکٹ بھی جاری کیا گیا۔

افسوس کوہ ہمالیہ کی مہم سر کرنے والی پہلی خاتون جنکوتیبی 23/ اکتوبر 2016 کو اس دنیا سے چل بسیں۔

جہاں تک ہندوستان کی کوہ پیما خواتین کی بات ہے ۔ ایورسٹ کی چوٹی سر کرنے والی خاتون بیچندری پال کے علاوہ ریتا گامبو، ڈکی ڈول، ہریانہ کی سنتوش یادو اوراڑیسہ کی کلپنا داس جیسی بہادر خواتین نے اس فہرست میں اپنا نام درج کروایا ہے۔ بیچندری پال ہندوستان کی پہلی اوردنیا کی پانچویں کوہ پیما خاتون ہیں۔

جہاں تک ہندوستان کی کوہ پیما خواتین کی بات ہے۔ ایورسٹ کی چوٹی سر کرنے والی خاتون بچیندری پال کے علاوہ ریتا گامبو، ڈکی ڈول، ہریانہ کی سنتوش یادو اور اڑیسہ کی کلپنا داس جیسی بہادر خواتین نے اس فہرست میں اپنا نام درج کروایا ہے۔ بچیندری پال ہندوستان کی پہلی اور دنیا کی پانچویں کوہ پیما خاتون ہیں، جنھیں دنیا کی سب سے بلند چوٹی پر قدم رکھنے کا اعزاز حاصل ہے۔ ان کا یہ سفر آسان نہیں تھا۔ 1978 میں جب ہمارے ملک میں خواتین کوہ پیما کی تربیت کا سلسلہ شروع ہوا تو گنی چنی خواتین ہی اس میں شریک ہوئیں۔ پانچ چھ سال کی تربیت کے بعد چھ خواتین اور گیارہ مرد یعنی کل ستائیس (27) افراد پر مشتمل ایک ٹیم ایورسٹ کی مہم پر روانہ ہوئی۔ ان میں صرف تین خواتین

یعنی بچیندری پال، ریتا گامبو اور ریکھا شرما نے آخری منزل تک پہنچنے کی کوشش کی۔ پہلے گروپ میں ریتا گامبو، ریکھا شرما اور آ نگ دورجی کا قافلہ تیز ہواؤں کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھتا گیا۔ دورجی کے آکسیجن کا ذخیرہ ختم ہونے پر وہ ہمت ہار بیٹھا۔ رحمدل ریتا اسے تنہا چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ اپنے ساتھی کی دیکھ بھال کی وجہ سے پیچھے رہ گئی، ورنہ ایورسٹ فتح کرنے والی وہ پہلی خاتون ہوتی۔ بچیندری پال کو بھی خطروں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ کچھ دیر آرام کرنے کے لیے خیمے میں رکی ہوئی تھی کہ برف کی چٹان خیمے پر آگری اور وہ اس کے نیچے بری طرح دب گئی۔ این ڈی شیرپا نے کافی جدوجہد کے بعد انہیں خیمے سے نکالا۔ کہتے ہیں کہ ”جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے“ یہ دونوں افراد خراب موسم کے باوجود نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ آگے بڑھتے رہے جبکہ ریکھا شرما کی ہمت جواب دے گئی اور ان کا گروہ کیمپ لوٹ گیا۔ آخر کار یہ دو افراد چوٹی پر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے وہاں پہنچ کر بچیندری پال خوشی سے جھوم اٹھیں۔ ترنگا جھنڈا لہرایا اور ہندوستانی عظمت کا گیت گایا اور اپنی فتح کی داستان لکھی۔

ایک اور کوہ پیما خاتون کا کارنامہ بھی قابل تعریف ہے۔ اڑیسہ کے ڈھنکل صوبے کی رہنے والی کلپنا داس کی داستان ان سے الگ ہے۔ کلپنا پیشہ سے وکیل تھیں، اپنے وطن کی کوہ پیما خواتین کی طرح ان کے ذہن میں ایورسٹ کی چوٹی پر ترنگا لہرانے کا جنون سوار تھا۔ اس مہم میں حصہ لینے کے لیے سرمایہ کی ضرورت تھی۔ اس لیے کلپنا کو کئی سالوں تک دھکے کھانے پڑے۔ آخر کار کینیڈا کے باشندے ریزارڈ کرزے کی مالی امداد کام آئی۔ انھوں نے مہم سر کر کے ہی دم لیا۔ اس مہم میں انھیں دو بار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا آخر کار تیسری بار انہیں کامیابی ملی۔ وہ کہتی ہیں کہ ”مجھے اس چوٹی پر پرچم لہرا کر جس قدر خوشی نصیب ہوئی شاید زندگی کی کسی کامیابی پر حاصل نہیں ہوئی ہوگی۔“

چلتے چلتے ہم آپ کو سب سے کم عمر کوہ پیما کی کہانی سناتے ہیں۔ سنتوش یادو نامی بائیس سالہ لڑکی وہ پہلی خاتون ہے جس نے دو سال لگاتار ایورسٹ کی چڑھائی کی۔ اس کا تعلق صوبہ ہریانہ کے تعلقہ واری سے ہے۔ بچپن ہی سے یہ لڑکی مضبوط

ارادوں کی مالک تھی۔ اسے اسکول جانے کے لیے پانچ کلومیٹر پیدل فاصلہ طے کرنا پڑتا تھا، وہ اپنے گاؤں کی اکیلی لڑکی تھی جسے تعلیم حاصل کرنے کے لیے اس قدر مشقت اٹھانا پڑی۔ اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس نے والدین کے آگے مزید تعلیم حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ شہر جے پور کی کالج میں اس کا داخلہ ہوگیا۔ اب قیام کا مسئلہ تھا۔ کالج کے احاطہ میں قائم ہاسٹل انتظامیہ نے اسے داخلہ دینے سے انکار کیا۔ یہی واقعہ اس لڑکی کی زندگی میں انقلاب کا سبب بنا۔ اس ہونہار لڑکی پر کئی دروازے کھل گئے۔ کسی اور ہاسٹل میں قیام کا انتظام ہوگیا۔ ہاسٹل کے قیام سے اس کی زندگی ہی بدل گئی۔ اسے اپنے کمرے ہی سے اراولی پہاڑیوں پر چڑھائی کرنے والوں کا نظارہ کرنے کا موقع ملا۔ وہ روزانہ اس نظارے سے لطف اندوز ہوا کرتی تھی، ایک دن ہمت کرکے وہ وہاں پہنچ گئی اور اس گروہ میں شامل ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ اُن کا مثبت جواب پاکر سنتوش کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا۔ اپنی بچائی ہوئی رقم سے اترا کاشی نہرو انسٹی ٹیوٹ آف مائنٹرنگ میں داخلہ لیا۔ والدین اس خبر کو سن کر حیران رہ گئے۔ بیٹی کی خواہش کے آگے انہیں خاموشی اختیار کرنی پڑی۔ دورانِ تعلیم سنتوش نے زندگی کے دو بلند مقام پر پہنچنے کی ٹھان لی تھی۔ پہلا مقام ایورسٹ کی مہم سر کرنا اور دوسرا انڈین سیول سرویس میں شاندار مقام حاصل کرنا تھا۔ اسے دونوں میں کامیابی نصیب ہوئی۔ سول سرویس امتحان میں کامیابی کے بعد ہندوستانی تبتی بارڈر کے محکمہ پولیس میں اعلیٰ عہدہ پر اس کا انتخاب عمل میں آیا۔ ملازمت کے ساتھ کوہ پیمائی کا شوق بھی جاری رہا۔ پہلی بار اس نے کھومبو (Khumbu) جیسے خطرناک برفیلے آبشار جہاں پچیس فیصد کوہ پیما موت کا شکار ہوتے ہیں وہاں سے اپنا سفر شروع کیا۔ اس مہم میں سیانگ شیرپا اور وانگ چک شیرپا اس کے ساتھ تھے۔ جو اپنی مہم میں کامیاب رہے۔ اس مہم میں شامل ہونے والی وہ پہلی پولیس افسر تھی۔ وہ دوسرے سال ہندوستانی نیپالی خواتین کی ایورسٹ مہم میں شامل ہوئی۔ اس بار چڑھائی کے لیے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ اس جنون کے کیا کہنے ،سنتوش نے 1999 میں ایک اور خطرناک راستے کا نگ شنگ فیس سے تیسری بار چڑھائی کی۔ اس کا قابل تعریف کارنامہ ایورسٹ کی فتح ہی نہیں بلکہ ماحول کے تحفظ کا جنون بھی ہے ۔وہ ایک Environmentalist بھی ہے۔ ایورسٹ کے ماحول کی آلودگی کم کرنے کے لیے اس نے اپنے سفر میں تقریباً پانچ سو کلو کچرا اکٹھا کیا، اسے اپنے وطن سے بھی بے حد پیار ہے۔ سنتوش کہتی ہے کہ میں جب بھی مہم کی ابتداء کرتی ہوں ترنگا میرے ساتھ ہوتا ہے۔ کامیابی ملتے ہی میں فوراً اسے پھہرا دیتی ہوں۔ آج بھی وہ کوہ پیمائی کے تربیتی کاموں میں مصروف ہے۔ ان کارناموں کی بدولت بھارت سرکار نے اسے پدم شری کے اعزاز سے نوازا ہے۔

ہمیں کوہ پیما مرد و خواتین کے تجربات اور ان کی زندگی کی کہانیاں پڑھنے کو ملتی ہیں جو زندگی میں کچھ کرنے کا درس دیتی ہیں۔ آئے دن کوہ پیمائی میں خطروں کے باوجود نوجوان مرد اور خواتین کے جنون میں اضافہ ہورہا ہے۔ گو کوہ پیمائی جان جوکھوں کا کام ہے۔ یہ خطروں کے کھلاڑی مانتے ہیں کہ ''وہ جنون ہی کیا جو سر چڑھ کر نہ بولے۔''

■

Dr. Haleema Firdaus
1-A, 414, Ganga Block, National Games
Village, Kora Mangla,
Bangalore - 560047 (Karnataka)

محمد اسداللہ

کلپنا چاوٗلا

پہلی ہندوستانی خلاباز خاتون

زمین اس کائنات کا ایک چھوٹا سا سیارہ ہے جس پر زندگی کی نشو ونما کے سارے سامان موجود ہیں۔ سائنس نے انسانی زندگی کو بہتر بنانے اور اسے سنوارنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔نئی چیزوں کی کھوج اور طرح طرح کی ایجادات نے ہماری بہت سی مشکلات دور کردیں اور زندگی گزارنا آسان ہوگیا۔

زمین کے بعد سائنس کی ترقی نے آسمان کا رخ کیا اور خلا میں پروازوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ زمین کے اوپر ساٹھ کلومیٹر تک ہوا ہے۔لیکن تقریباً ساڑھے تین سوکلومیٹر کے بعد اس کی حد ختم ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد دور دور تک خلا ہے جہاں نہ آواز ہے، نہ ہوا، نہ روشنی۔

روس نے 1957 میں اپنا خلائی جہاز اسپوتنک اوّل خلا میں بھیج کر خلائی پرواز کی ابتدا کی۔ پھر لائیکا نامی کتیا خلا میں بھیجی۔ امریکہ نے دو کتے اور بندر بھی خلا میں روانہ کیے۔ گویا انسانوں کو خلا میں بھیجنے کی تیاری کی جارہی تھی۔

20 جولائی 1969 کو امریکہ کے اپولو-گیارہ کے ذریعے بھیجے گئے نیل آرم اسٹرانگ نے پہلی مرتبہ چاند پر قدم رکھا۔ ان کے ساتھ دو خلاباز اور بھی تھے۔

خلائی تحقیقات کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ہمارا ملک بھی اس میں شامل ہے۔ حیدرآباد کے راکیش شرما پہلے ہندوستانی خلا باز ہیں۔ راکیش شرما کے خلا میں پہنچنے پر اس وقت کی وزیراعظم محترمہ اندرا گاندھی نے ان سے رابطہ کرکے پوچھا تھا کہ وہاں سے ہمارا بھارت کیسا نظر آرہا ہے؟ اس کے جواب میں راکیش شرما نے اقبال کا یہ مشہور مصرع دہرایا تھا۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

ریاست ہریانہ کے شہر کرنال کی کلپنا چاوٗلا کو پہلی ہندوستانی خلاباز خاتون ہونے کا فخر حاصل ہے۔ وہ ہریانہ کے ضلع کرنال میں 17 مارچ 1962 کو ایک متوسط خاندان میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد بنواری لال چاولا ایک چھوٹے بیوپاری ہیں اور ماں ایک گھریلو خاتون تھیں۔ کلپنا ان کی چھوٹی بیٹی تھی۔ عام سی دکھائی دینے والی سانولی اور دبلی پتلی کلپنا دھن کی پکی اور ارادے کی مضبوط تھیں۔ انھیں بچپن ہی سے مطالعہ کا شوق تھا اور موسیقی سے دلچسپی تھی۔ انھیں اپنی سہیلیوں کے ساتھ باغ

میں گھومنا بھی پسند تھا۔

کرنال بال نکیتن اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد 1982 میں پنجاب انجینئرنگ کالج چنڈی گڑھ سے ایروناٹک انجینئرنگ میں گریجویشن کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے وہ امریکہ چلی گئیں۔ وہاں انھوں نے ٹکساس یونیورسٹی سے ایرواسپیس انجینئرنگ میں پوسٹ گریجویشن کیا اور بعد میں اسی مضمون میں کولوریڈو یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ کلپنا چاولا نے اپنے ہوائی تربیت دینے والے 'جیاپرے ہیریس' سے شادی کرکے امریکہ کی شہریت حاصل کرلی تھی۔

کلپنا چاولا 1988 میں امریکہ کے نیشنل ایروناٹکس اینڈ اسپیس ایڈمنسٹریشن NASA کے تحقیقی مرکز سے وابستہ ہوئیں۔ اس کے بعد کیلی فورنیا کی ایک کمپنی میں بحیثیت صدر اور تحقیقاتی سائنس داں کے طور پر کام کرنے کے لیے انھیں چنا گیا۔ ان کے تحقیقی کاموں سے متاثر ہوکر 'ناسا' نے انھیں خلائی سفر کے لیے منتخب کیا تھا۔

1997 میں کلپنا چاولا کو پہلی بار امریکی خلائی ایجنسی 'ناسا' کے اسپیس شٹل کے ذریعے خلا میں جانے کا موقع ملا۔ انھوں نے زمین کے گرد 252 چکر لگائے اور پینسٹھ لاکھ میل کا سفر کیا۔ اسی طرح انھوں نے خلا میں 376 گھنٹے اور چونتیس منٹ گزارے۔ دوسرے سفر کے دوران اس وقت کے وزیراعظم اندر کمار گجرال نے کلپنا چاولا سے بات چیت کرتے ہوئے جب انھیں اقبال کا یہ مصرع یاد دلایا۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

تو کلپنا چاولا نے کہا تھا ''ہاں میں نے بھی یہ سنا تھا لیکن آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔''

کلپنا نے اس سفر کے متعلق اپنے خیالات ان الفاظ میں بیان کیے تھے ''میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ میں کس ملک اور کس نسل سے تعلق رکھتی ہوں۔ خلائی تحقیقات انسانیت کی بھلائی کے لیے ہیں۔ میں نے خلا میں یہی عزم کیا تھا کہ مجھے اس کے لیے محنت کرنا ہے۔ اس سلسلے میں مجھ سے جو کچھ ہوسکے گا میں ضرور کروں گی۔''

کلپنا چاولا دوسری بار 16 جنوری 2003 کو امریکی خلائی شٹل کولمبیا کے ذریعے خلا میں گئیں۔ ان کے ساتھ چھ اور خلاباز تھے جن میں ایک امریکی خاتون لاریل بھی تھیں۔ 'ناسا' کی جانب سے خلابازوں کو اس سفر میں کچھ چیزیں اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت دی گئی تھی۔ کلپنا اپنے ساتھ وہ ٹی شرٹ لے گئی تھیں جو ان کے اسکول یونیفارم کا حصہ تھا اور وہ قمیص بھی جس پر ان کے انجینئرنگ کالج کا مونوگرام تھا۔ ان کے پاس دو چھوٹے میڈل بھی تھے۔

خلا میں سولہ دن رکنے اور اَسّی سے زیادہ تجربات کرنے کے بعد وہ زمین پر لوٹ رہے تھے کہ ان کا شٹل 'کولمبیا' 3600 کلومیٹر کی بلندی پر آسمان میں ایک حادثے کا شکار ہو گیا۔ اس حادثے میں ساتوں خلابازوں کی موت واقع ہو گئی۔

کلپنا چاولا کو ان کی موت کے بعد ناسا کی جانب سے اعزازات سے نوازا گیا۔ حکومتِ ہند اور ریاستی حکومت نے ان کی یاد میں کئی اہم کام انجام دیے۔ ان کی یاد میں طلبہ کے لیے وظائف جاری کیے گئے۔ 12 ستمبر 2002 کو چھوڑے گئے بھارت کے مصنوعی سیارے کو 'کلپنا-ایک' کا نام دیا گیا۔ کلپنا چاولا کی یہ خواہش تھی کہ ہندوستانی لڑکیاں 'ناسا' کے ذریعے تربیت حاصل کریں۔ اس سلسلے میں انھوں نے کوشش کی جس کے نتیجے میں 1996 سے ہر سال بھارت کی دو لڑکیوں کو تربیت حاصل کرنے کی اجازت دی گئی۔

اپنے اسکول کی تعلیم کے زمانے میں چاند ستاروں کے چارٹ بنانا اور ڈرائنگ کے پیریڈ میں جہازوں کی تصویریں بنانا کلپنا چاولا کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ کبھی جہازوں کو آسمان میں اڑتا ہوا دیکھ کر وہ اپنی سائیکل تیز تیز دوڑا کر ان کا پیچھا کرنے کی کوشش کیا کرتی تھیں۔ انھوں نے آسمان کی سیر کا جو خواب دیکھا تھا وہ پورا ہوا اور ان کا یہ قول سچ ثابت ہوا:

"میں خلائی مشن کے لیے بنی ہوں اور اسی کے لیے مروں گی۔"

■

Dr. Mohd Asadullah
30-Gulistan Colony
Nagpur - 440013 (Maharashtra)

■ وفا ناہید خیال اثر

ننھی پری

مجھے ملنا ہے اک ننھی پری سے
جس کی معصومیت کے چرچے ہیں
جانے کب اس کی دید ہوگی نصیب
میں نے کتنے ہی خواب دیکھے ہیں
جب وہ مل جائے گی تو میں اس کو
اپنے سینے سے یوں لگا لوں گی
جیسے بدلی میں چاند چھپتا ہے
دل میں ایسے اُسے چھپالوں گی
میں نے کتنی ہی آرزو کی ہے
اس سے ملنے کی جستجو کی ہے
کب وہ آنکھوں کے سامنے ہوگی
جس کی تصویر دل میں رہتی ہے
میں نے ہر خواب اس کے دیکھے ہیں
آنکھ اس کے لیے ہی ترسے ہے
مجھے ملنا ہے اک ننھی پری سے
جانے کیوں یہ یقین ہے دل کو
جب مری زیست میں وہ آئے گی
زندگی اس کے دم سے چہکے گی
ہر کلی پھول بن کے مہکے گی
میری آغوش میں وہ آئے گی
تشنگی روح کی بجھائے گی
اس کی کلکاریوں کو سنتی ہوں
اور آہٹ پہ چونک پڑتی ہوں
میری ممتا نے اس کو ڈھونڈا ہے
اشک آنکھوں سے میری بہتے ہیں
مجھے ملنا ہے اک ننھی پری سے

■

Wafa Naheed
153, Momin Pura, Malegaon
Distt.: Nasik - 423203 (Maharashtra)

■ شکیل ابن شرف

ماں سے یتیم بچے کا سوال

میرے ابّو ہیں پردیس میں امّی تم بتلاتی ہو
اِس سے زیادہ کچھ نہیں کہتیں بس تم چپ ہوجاتی ہو
سارے بچے دیکھتے ہیں جو خوش ہو ہو کر عید کا چاند
میری آنکھوں میں روشن ہوجاتا ہے اُمید کا چاند
میں کہتا ہوں میرے ابو اب کے عید پہ آئیں گے
ڈھیروں کپڑے اور کھلونے میری خاطر لائیں گے
ہاتھ پکڑ کر ابو کا میں بھی میلے میں جاؤں گا
رنگ برنگے کپڑے پہنے ہرسُو دھوم مچاؤں گا
ایسی باتیں کہتے کہتے کتنے موسم بیت گئے
اب کے برس بھی ہار گیا میں میرے ساتھی جیت گئے
اوروں کے ابو بھی تو پردیس کمانے جاتے ہیں
لیکن وہ ہر سال برابر عید منانے آتے ہیں
مجھ کو تو ایسا لگتا ہے تم یوں ہی بہلاتی ہو
مجھ کو بھی دھوکہ دیتی ہو خود بھی دھوکہ کھاتی ہو
اچھی امی پیاری امی دل کیوں چھوٹا کرتی ہو
تم مجھ کو سچائی بتلانے سے ناحق ڈرتی ہو
دھیرے دھیرے سمجھ رہا ہوں میں اِن ساری باتوں کو
تم اٹھ اٹھ کر اکثر کیوں روتی رہتی ہو راتوں کو
ابو کی تصویر سے اکثر باتیں کرتی رہتی ہو
کیا جانے کیا کیا کہہ کہہ کر آہیں بھرتی رہتی ہو
چھوڑو مایوسی کی باتیں جب میں بڑا ہوجاؤں گا
محنت میں دن رات کروں گا پیسے خوب کماؤں گا
غم کی راتیں کٹ جائیں گے خوشیوں کے دن آئیں گے
ہم بھی نئے کپڑے پہنیں گے ہم بھی عید منائیں گے

■
Shakil Ibne Sharf
Tasha Galli, No.7,
Dhule - 424001 (Maharashtra)

شمس الاسلام فاروقی

ٹڈّا

آیئے! آپ مجھ سے ڈریے مت۔ میں آپ کو کوئی نقصان پہنچانے کا بالکل ارادہ نہیں رکھتا۔ لوگ خواہ مخواہ میرے بارے میں غلط باتیں کہتے رہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ میں زور سے اس لیے اچھلتا ہوں کہ اچھل کر ان کی آنکھ پھوڑ دوں۔ وہ نہیں جانتے، دراصل مجھے خود ہی انسانوں سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں وہ مجھے پکڑ نہ لیں اور پھر ان کے ہاتھوں میرے جسم کے کچھ حصے ٹوٹ نہ جائیں اور میں لولا لنگڑا نہ ہو جاؤں۔ اصل میں میرے پچھلے پیر اگلوں کے مقابلے زیادہ موٹے اور مضبوط ہیں۔ میں ان کی مدد سے لمبی لمبی چھلانگیں لگا لیتا ہوں۔ مجھے جیسے ہی کوئی خطرہ محسوس ہوتا ہے میں ان کی مدد سے فوراً ہی پھدک کر دور چلا جاتا ہوں۔

میرا سائنسی نام ایکریڈا (Acrida) ہے۔ میرے سر پر مرکب آنکھیں بڑی اور اینٹنی لمبے ہیں۔ سینہ اوپر سے دیکھنے میں ایسا لگتا ہے جیسے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھنے والی زین۔ میرے دونوں جوڑی پر الگ الگ طرح کے ہیں۔ اگلے پتلے لیکن موٹے جبکہ پچھلے جوڑے چھپے ہوئے اور باریک جھلی دار ہیں۔ میں آرام کی حالت میں انھیں کسی جاپانی پنکھے کی طرح تہہ کر کے اپنے جسم کے اوپر کر لیتا ہوں اور پھر اگلے موٹے پر کسی غلاف کی طرح انھیں ڈھک لیتے ہیں۔ میں اپنے پروں کو پھیلا کر کسی چڑیا کی طرح تیزی سے اڑ سکتا ہوں۔ انگریزی زبان میں مجھے گراس ہاپر کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں عام طور پر گھاس یا دوسرے پتوں کے درمیان رہتا ہوں اور اپنے پچھلے پیروں کی مدد سے وہیں کودتا رہتا ہوں۔ میرے جسم کا رنگ بھی عام طور سے ہرا ہوتا ہے اور کیونکہ میں ہرے پتوں اور گھاس کے درمیان رہتا ہوں، اپنے دشمنوں کو نظر نہیں آتا اور اس طرح ان سے اپنا بچاؤ کر لیتا ہوں۔ گھاس اور پتے کاٹنے اور چبانے کے لیے میرے منہ میں مضبوط دانت اور جبڑے ہیں۔ میں پتوں کو کھا کر نقصان تو ضرور کرتا ہوں لیکن اتنا نہیں کہ اس کے لیے آپ کو فکر مند ہونا پڑے۔

البتہ میری کچھ قسمیں بہت خطرناک سمجھی جاتی ہیں۔ ان

کے سائنسی نام ہیں شسٹوسرکا اور لوکسٹا۔ ساری دنیا کے لوگ ان سے ڈرتے ہیں۔ انھیں ٹڈیاں کہا جاتا ہے۔ آپ انھیں ٹڈوں کی مادائیں مت سمجھ لیجیے گا۔ یہ بالکل الگ ہیں اور یہ ہی ان کا نام ہے۔ انگریزی میں انھیں لوکسٹ (Locust) کہا جاتا ہے یا لوکسٹ کے معنی ہیں پلیگ۔ دراصل یہ کسی بھی علاقے میں کسی وبا یا بلا کی طرح نازل ہوجاتی ہیں اس لیے انھیں یہ نام دیا گیا ہے۔ آپ نے تو انھیں نہ دیکھا ہوگا مگر اپنے بزرگوں سے ان کے بارے میں پوچھیے وہ بتائیں گے کہ ٹڈیاں کتنے موذی کیڑے ہوتے ہیں۔

دیکھنے میں لوکسٹ بھی ہماری ہی شکل وصورت کے ہوتے ہیں۔ البتہ ان کا رنگ عموماً بھورا یا پیلا ہوتا ہے اور اگلے پروں پر چھوٹے چھوٹے کالے دھبّے نظر آتے ہیں۔ ان کی ایک عادت بہت خطرناک ہوتی ہے۔ وہ کچھ کچھ وقفوں کے اپنی تعداد کو بے تحاشہ بڑھا لیتے ہیں۔ یہ وقفے ایک سے بارہ برس تک ہوسکتے ہیں اور اِس کا تعلق موسم سے ہوتا ہے۔ اگر خوب بارشیں ہوں اور ان کی غذا کے لیے خوب ہریالی ہوجائے تو یہ اپنی تعداد بڑھانے لگتے ہیں۔ لوَسٹ کی مادائیں ریتیلے علاقوں میں ریت کے نیچے اپنا پیٹ گھسا کر گچھوں میں انڈے دیتی ہیں۔ ہر گچھے میں 80 سے 100 انڈے چاول کے دانوں کی طرح برابر برابر رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہر مادہ صرف ایک ہی بار انڈے نہیں دیتی بلکہ اپنی زندگی میں کم از کم تین بار دیتی ہے۔ مہینے ڈیڑھ مہینے بعد چھوٹے چھوٹے بچے ریت سے اوپر نکل آتے ہیں۔ شروع میں ان کے پر نہیں ہوتے اور وہ ایک ساتھ کود کود کر ہریالی کی تلاش میں کسی فوج کی طرح مارچ کرتے ہیں۔ کچھ دن بعد جب وہ بڑے ہوجاتے ہیں اور ان کے پَر نکل آتے ہیں تو وہ غذا کی تلاش میں دور دور کے علاقوں میں اڑ کر جاتے ہیں۔ اس وقت انھیں قابو کرنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ ٹڈیوں کے یہ جھنڈ ٹڈی دَل کہلاتے ہیں اور ہر دل میں کروڑوں ٹڈیاں ہوتی ہیں۔ آپ کے بزرگوں میں سے جس کسی نے بھی انھیں دیکھا ہوگا۔ وہ بتائیں گے کہ دَل میں اتنی زیادہ ٹڈیاں ہوتی تھیں کہ سورج کی روشنی تک چھپ جاتی تھی اور وہ بادلوں کی طرح آسمان پر چھا جاتی تھیں۔ یہ ٹڈیاں جس علاقے میں اترتی تھیں وہاں کی ہری بھری چیز کا صفایا ہوجاتا تھا۔ بعض علاقوں میں قحط اور بھک مری تک پھیل جاتی تھی۔ یہ ایک طرح کا آسمانی عذاب ہوا کرتا تھا۔ مسلمانوں کی کتاب قرآن کریم میں ان ٹڈیوں کا ذکر آیا ہے کہ انھیں فرعون اور اس کی قوم پر عذاب کی شکل میں نازل کیا گیا تھا۔ ماضی کی تاریخ لوَسٹ کے ذریعے بربادیوں کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

■

Shamsul Islam Farooqui
90-B, Ahata Talib, Noor Nagar
Jamia Nagar, Okhla
New Delhi - 110025

نظیر اکبرآبادی

نظم

ہولی

آ دھمکے عیش و طرب کیا کیا جب حسن دکھایا ہولی نے
ہر آن خوشی کی دھوم ہوئی یوں لطف جتایا ہولی نے
ہر خاطر کو خورسند کیا ہر دل کو لبھایا ہولی نے
دف رنگیں نقش سنہری کا جس وقت بجایا ہولی نے
بازار گلی اور کوچوں میں غل شور مچایا ہولی نے

یا سوانگ کہوں یا رنگ کہوں یا حسن بتاؤں ہولی کا
سب ابرن تن پر جھمک رہا اور کیسر کا ماتھے ٹیکا
ہنس دینا ہر دم ناز بھرا دکھلانا سج دھج شوخی کا
ہر گالی، مصری، قند بھری، ہر ایک قدم اٹکھیلی کا
دل شاد کیا اور موہ لیا یہ، جوبن پایا ہولی نے

کچھ طبلے کھٹکے تال بجے کچھ ڈھولک اور مردنگ بجی
کچھ جھڑپیں بین ربابوں کی کچھ سارنگی اور چنگ بجی
کچھ تار طنبوروں کے جھنکے، کچھ ڈھمڈھی اور منہ چنگ بجی
کچھ گھنگرو کھٹکے جھم جھم جھم کچھ گت گت پر آہنگ بجی
ہے ہر دم ناچنے گانے کا یہ تار بندھایا ہولی نے

ہر جا گہ تھال گلالوں سے، خوش رنگت کی گل کاری ہے
اور ڈھیر ابیروں کے لاگے، سو عشرت کی تیاری ہے
ہیں راگ بہاریں دکھلاتے اور رنگ بھری پچکاری ہے
منہ سرخی سے گل نار ہوئے تن کیسر کی سی کیاری ہے
یہ روپ جھمکتا دکھلایا یہ رنگ دکھایا ہولی نے

ہر آن خوشی سے آپس میں سب ہنس ہنس رنگ چھڑکتے ہیں
رخسار گلالوں سے گل گوں، کپڑوں سے رنگ ٹپکتے ہیں
کچھ راگ اور رنگ جھمکتے ہیں کچھ مے کے جام چھلکتے ہیں
کچھ کودے ہیں، کچھ اچھلے ہیں، کچھ ہنستے ہیں، کچھ بکتے ہیں
یہ طور یہ نقشا عشرت کا ہر آن بنایا ہولی نے

فاطمہ شاہین

ایک پہل

آؤ اُس کو دوست بنالیں
اُس کو اپنے پاس بلا لیں
خالی خالی تنہا تنہا
دور سے ہم کو تکتا رہتا

دور کہیں وہ دیکھ رہا تھا
شاید وہ کچھ ڈھونڈ رہا تھا
یا پھر قدرت سے کچھ کہہ کر
دل اپنا بہلا رہا تھا

ٹیچرس کی آنکھوں کا تارا
ہر سبق ہے اُس کو پیارا
من لگا کر پڑھتا رہتا
پر کسی سے کچھ نہ کہتا

آؤ اُس کے پاس چلیں ہم
تنہائی اس کی دور کریں ہم
لوڈو کیرم ساتھ کھلائیں
کیوں نہ اُس کا من بہلائیں

سہی وقت سے آتا ہے وہ
ناغہ کبھی نہ کرتا ہے وہ
پر جب ٹیچر کھیل کھلاتی
سارے بچے دوڑ کے جاتے

ساتھ ہمارے آئے گا وہ
من اپنا بہلائے گا وہ
ساتھی بن کر ہم لوگوں کا
کتنا خوش ہوجائے گا وہ

تنہا تنہا سا وہ بچہ
کبھی نہ اُس میں آگے جاتا
اپنی بیساکھی کو چھوکر
آنکھوں میں وہ پانی بھر کر

راضی ہوگا وہ بھی ہم سے
جس نے اُس کو بیساکھی دی
یہ ایک پہل ہے کتنی اچھی
کتنی پیاری کتنی سچی

آؤ اُس کو دوست.....................

Fatima Shaheen
D-813, G.T.B. Nagar
Karely, Allahabad - (UP)

عبیر الٰہی

ٹسٹ کرکٹ میں 199 کے شکار

کسی بھی طرح کی کرکٹ ہو جب بلے باز 199 رن بنا لیتا ہے تو وہ ڈبل سنچری مکمل کرنا چاہتا ہے۔

ٹسٹ کرکٹ میں ابھی تک 11 مرتبہ ایسا ہوا ہے جب کوئی بلے باز 199 کا شکار بنا ہے۔ اس میں نو مرتبہ بلے باز اس اسکور پر آؤٹ ہوئے ہیں جبکہ دو بلے باز، زمبابوے کے اینڈی فلاور اور سری لنکا کے کمار سنگاکارا 199 پر ناٹ آؤٹ رہے ہیں۔

چنئی میں انگلینڈ اور ہندوستان کے درمیان کھیلے گئے پانچویں اور آخری ٹسٹ میچ میں ہندوستان کے لوکیش راہول صرف ایک رن کی کمی سے ڈبل سنچری مکمل کرنے میں ناکام رہے۔ عادل رشید کی بال پر انھیں جوس بٹلر نے کیچ کیا تھا۔ وہ ٹسٹ کرکٹ میں 199 کا شکار ہونے والے ہندوستان کے دوسرے اور کل ملا کر 11ویں بے باز بنے۔ اسی انگ میں کرون نائر ٹریپل سنچری بنانے میں کامیاب رہے۔ ٹسٹ کرکٹ میں 199 کا شکار ہونے والے پہلے بلے باز پاکستان کے مدثر نذر تھے۔ فیصل آباد میں 1984-85 میں کھیلے گئے ٹسٹ میں وہ صرف ایک رن کی کمی سے اپنی ڈبل سنچری مکمل نہیں کر سکے۔ شیولال یادو کی بال پر وکٹ کیپر سید کرمانی نے انھیں کیچ کیا تھا۔ اس انگ میں قاسم عمر ڈبل سنچری (210) مکمل کرنے میں کامیاب رہے تھے لیکن مدثر نذر ڈبل سنچری سے چوک گئے تھے۔

سری لنکا کے خلاف کانپور میں 1986-87 میں کھیلے گئے ٹسٹ میں محمد اظہرالدین 199 کا شکار بنے تھے۔ محمد اظہرالدین

کو اس اسکور پر روی رتنائیکے نے ایل بی ڈبلیو کیا تھا۔ یہ محمد اظہرالدین کا ٹسٹ کرکٹ میں سب سے زیادہ اسکور بھی تھا۔ محمد اظہرالدین نے اپنی اس انگ کے دوران 505 منٹ تک سری لنکا کے بالروں کا مقابلہ کیا اور اپنی پہلی ڈبل سنچری مکمل کرنے کے بے حد نزدیک پہنچے مگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔

لیڈز ٹسٹ میں 1997 میں آسٹریلیا کے میتھیو ایلیٹ 199 پر آؤٹ ہونے والے آسٹریلیا کے پہلے اور کل ملا کر تیسرے بلے باز بنے۔ اس میچ میں میتھیو ایلیٹ نے اپنے کپتان مارک ٹیلر کے ساتھ انگ کی شروعات کی تھی۔ مارک ٹیلر تو صفر پر آؤٹ ہو گئے لیکن انھوں نے شاندار بلے بازی کرتے ہوئے 199 رن بنا لیے تھے اور ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اپنے ٹسٹ کیریر کی پہلی ڈبل سنچری ضرور بنا لیں گے لیکن انگلینڈ کے تیز بالر ڈارین گوف نے انھیں 199 کے اسکور پر بولڈ کر دیا۔ کچھ لمحوں تک تو میتھیو ایلیٹ کو یقین ہی نہیں ہوا کہ وہ آؤٹ ہو گئے ہیں کیونکہ انھیں امید نہیں تھی کہ وہ 199 پر آؤٹ بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ انگلینڈ میں اس اسکور پر آؤٹ ہونے والے پہلے کھلاڑی تھے۔ ان کے 199 رن ٹسٹ کرکٹ میں ان کا سب سے زیادہ اسکور بھی ہے۔ انھوں نے اس ٹسٹ کے بعد 12 ٹسٹ اور کھیلے جس میں ایک سنچری بنائی۔ اس سے قبل بھی انھوں نے ایک مرتبہ 100 سے بڑی انگ کھیلی تھی۔

سری لنکا کے سنتھ جے سوریہ بھی 199 کا شکار ہونے والے بلے بازوں میں شامل ہیں۔ بائیں ہاتھ سے بلے بازی کرنے والے سنتھ جے سوریہ کو ہندوستان کے ابھے کرویلا

نے 199 کے اسکور پر بولڈ کیا تھا۔اس سیریز کے پہلے میچ میں سنتھ جے سوریہ نے 340 رن کی شاندار اننگ کھیلی تھی اور کولمبو میں وہ ایک اور عمدہ اننگ کھیلنا چاہتے تھے۔انھوں نے 1997 میں ہوئی اس سیریز کے دوسرے ٹسٹ میں 199 رن بنا لیے تھے اور صرف ایک رن اور بنانے کے بعد وہ اس سیریز میں دوسری ڈبل سنچری مکمل کر سکتے تھے۔انھوں نے ابھے کرویلا کی بال پر چوکا لگا کر یہ ڈبل سنچری مکمل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن بال ان کے بلے پر نہیں آئی اور سیدھی وکٹوں پر جا کر لگی اور وہ بولڈ ہو گئے۔ وہ 199 پر آؤٹ ہونے والے سری لنکا کے پہلے بلے باز تھے۔

آسٹریلیا کے اسٹیو وا بھی 199 پر آؤٹ ہونے والے بلے بازوں میں شامل ہیں۔ 1998-99 میں برج ٹاؤن میں ویسٹ انڈیز کے خلاف کھیلے گئے ٹسٹ میں وہ 509 منٹ میں 376 بالوں پر 20 چوکوں اور ایک چھکے کی مدد سے 199 رن بنانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ویسٹ انڈیز کے بالر نہمیا پیری نے اسٹیوا کو 199 کے اسکور پر ایل بی ڈبلیو کیا تھا۔اگر اسٹیووا اپنی ڈبل سنچری مکمل کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو وہ ان کی یہ دوسری ڈبل سنچری ہوتی۔وہ صرف ایک ڈبل سنچری بنانے میں کامیاب رہے۔ان کا ٹسٹ کرکٹ میں سب سے زیادہ اسکور 200 ہی رہا تھا۔ ویسٹ انڈیز نے اس ٹسٹ میں ایک وکٹ سے جیت حاصل کی تھی۔

زمبابوے کے اینڈی فلاور 199 پر ناٹ آؤٹ رہنے والے پہلے کھلاڑی تھے۔جنوبی افریقہ کے خلاف ہرارے میں 2001-02 میں کھیلے گئے ٹسٹ میں وہ 590 منٹ میں 470 بالوں پر 24 چوکوں اور ایک چھکے کی مدد سے 199 رن بنا کر

ناٹ آؤٹ رہے تھے۔ اگر ان کے ساتھی ان کا ساتھ دیتے تو وہ اپنی ڈبل سنچری مکمل کر لیتے۔ اینڈی فلاور نے پہلی اننگ میں 142 رن بنائے تھے۔ اس طرح وہ اس میچ میں 341 رن بنانے میں کامیاب ہوئے مگر وہ زمبابوے کو ہار سے نہیں بچا سکے۔ جنوبی افریقہ نے یہ ٹسٹ 9 وکٹ سے جیتا تھا۔

پاکستان کے یونس خان 199 کا شکار ہونے والے پاکستان کے دوسرے اور کل ملا کر ساتویں بلے باز تھے۔ لاہور میں 2005-06 میں ہندوستان کے خلاف یونس خان 200 واں رن لیتے ہوئے رن آؤٹ ہوئے تھے۔انھیں ہربھجن سنگھ نے رن آؤٹ کیا تھا۔وہ 199 پر رن آؤٹ ہونے والے واحد کھلاڑی ہیں۔

یونس خان کے بعد انگلینڈ کے ایان بیل 199 کا شکار بنے تھے۔ جنوبی افریقہ کے خلاف لارڈز میں 2008 میں وہ 199 پر آؤٹ ہوئے تھے۔ جنوبی افریقہ کے اسپنر پال ہیریس نے انھیں اس اسکور پر اپنی ہی بال پر کیچ کیا تھا وہ 199 پر کیچ اور بولڈ ہونے والے واحد بلے باز ہیں۔

سری لنکا کے کمار سنگا کارا 199 پر ناٹ آؤٹ رہنے والے دوسرے بلے باز تھے۔ جون 2012 میں پاکستان کے خلاف گول میں کھیلے گئے ٹسٹ میں وہ صرف ایک رن کی کمی کی وجہ سے اپنی ڈبل سنچری مکمل نہیں کر سکے تھے۔ وہ اس اسکور پر ناٹ آؤٹ رہے تھے۔اگر سری لنکا کے کھلاڑی ان کا ساتھ نہیں چھوڑتے تو وہ اپنی ڈبل سنچری مکمل کر سکتے تھے۔

ہندوستان کے لوکیش راہول سے قبل 199 کا شکار ہونے والے آخری بلے باز آسٹریلیا کے اسٹیون اسمتھ تھے۔

ٹسٹ کرکٹ میں 199 کا شکار ہونے والے بلے باز

بلے باز	کس طرح آؤٹ	بہ مقابلہ	بہ مقام	سیزن
مدثر نذر (پاکستان)	کیچ	ہندوستان	فیصل آباد	1984-85
محمد اظہر الدین (ہندوستان)	ایل بی ڈبلیو	سری لنکا	کانپور	1986-87
میتھیو ایلیٹ (آسٹریلیا)	بولڈ	انگلینڈ	لیڈز	1997
سنتھ جے سوریہ (سری لنکا)	بولڈ	ہندوستان	کولمبو	1997
اسٹیو وا (آسٹریلیا)	ایل بی ڈبلیو	ویسٹ انڈیز	برج ٹاؤن	1998-99
اینڈی فلاور (زمبابوے)	ناٹ آؤٹ	جنوبی افریقہ	ہرارے	2001-02
یونس خان (پاکستان)	رن آؤٹ	ہندوستان	لاہور	2005-06
ایان بیل (انگلینڈ)	کیچ اور بولڈ	جنوبی افریقہ	لارڈز	2008
کمار سنگا کارا (سری لنکا)	ناٹ آؤٹ	پاکستان	گول	2012
اسٹیون اسمتھ (آسٹریلیا)	ایل بی ڈبلیو	ویسٹ انڈیز	کنگسٹن	2014-15
لوکیش راہول (ہندوستان)	کیچ	انگلینڈ	چنئی	2016-17

ویسٹ انڈیز کے خلاف کنگسٹن میں کھیلے گئے ٹسٹ میں وہ صرف ایک رن کی کمی کی وجہ سے اپنی ڈبل سنچری مکمل نہیں کر سکے تھے۔ 2015-16 میں ہوئے ٹسٹ میں وہ 199 رن بنا کر جرمون ٹیلر کی بال پر ایل بی ڈبلیو ہوئے تھے۔ اس طرح وہ 199 پر آؤٹ ہونے والے تیسرے کھلاڑی تھے۔

ابھی تک ٹسٹ کرکٹ میں جو گیارہ بلے باز 199 کا شکار ہوئے ہیں ان میں صرف آسٹریلیا کے میتھیو ایلیٹ اور اسٹیون اسمتھ، سری لنکا کے کمار سنگا کارا اور ہندوستان کے لوکیش راہول کے رن کام آئے ہیں۔ اسٹیو وا اور اینڈی فلاور نے جن میچوں میں ایسا کیا تھا اس میں ان کی ٹیموں کو ہار ملی تھی۔ پانچ بلے بازوں نے جن میچوں میں 199 رن کی اننگز کھیلیں وہ ٹسٹ برابر رہے۔

ٹسٹ کرکٹ میں 99 اور 199 کے شکار تو بہت سے بلے باز ہوئے ہیں لیکن ایک کھلاڑی ایسا بھی ہے جو 299 پر آؤٹ ہوا ہے۔

299 پر آؤٹ ہونے والے واحد بلے باز نیوزی لینڈ کے مارٹن کرو تھے جو سری لنکا کے خلاف ونگٹن میں 1990-91 میں ہوئے ٹسٹ میں 299 پر آؤٹ ہوئے تھے۔ انھوں نے 610 منٹ میں 523 بالوں پر 29 چوکوں اور تین چھکوں کی مدد سے 299 رن بنائے تھے۔ ارجن رانا تنگا کی بال پر وکٹ کیپر ہشان تلیکا رتنے نے ان کا کیچ لیا تھا۔ ■

Abeer Ilahi
1433 Qasim Jan Street
Ballimaran,Delhi - 110006

جمال اختر

گوریّا سے سوال

سوال

گوریا تم کہاں گئی ہو گھر پہ ہمارے آؤ نہ
دانہ چاول سبھی رکھا ہے آکر اس کو کھاؤ نہ
خفا ہوئیں کس بات پہ، تم نے سب کے گھر کیوں چھوڑ دیے
صدیوں کے رشتے آخر کس بات پہ تم نے توڑ دیے
رونق تم سے تھی گھر میں اور بچے بھی خوش رہتے تھے
یہ ہے میری چڑیا رانی ایک سے اک یہ کہتے تھے
کبھی پکڑتے تم کو چھپ کر لیکن تم اڑ جاتی تھیں
بچے تو کیا بڑے بڑوں کے ہاتھ کہاں تم آتی تھیں
طاق موزکلا جہاں جگہ ملتی تم رہنے لگتی تھیں
ہم سب صبح کو سوتے رہتے اور تم پہلے جگتی تھیں
تیرے قصے اور کہانی بڑے ہوئے ہم سُن سُن کر
گھر تم اپنا خوب بناتیں تنکا تنکا چُن چُن کر

جواب

جب گھر میں عزت ہی نہ ہو پھر کس کا گھر اور کیسا گھر
شام و سحر رہتے تھے جہاں یوں بھول گئے وہ راہ گزر
پیار تھا تم سے جنگل چھوڑ کے ساتھ تمھارے رہتے تھے
شور بہت کرتی ہیں یہ چڑیاں سب ہم سے یہ کہتے تھے
جنگل راج گھروں میں جب سے آیا ہم مجبور ہوئے
رشتے تم سے بس یوں ٹوٹے اور ہم تم سے دور ہوئے
ہم کیا بچتے جب تم آپس میں ہی جھگڑے کرنے لگے
شہروں میں انسان کے ہاتھوں سے انسان ہی مرنے لگے
ہم محفوظ نہیں تھے ہمارے ساتھ میں کل کیا ہو جائے
کل ہوں فلیٹ وہاں پہ، جو اپنا گھر ہے وہ کھو جائے
اب ہم تم سے دور جہاں رہتے ہیں بہت خوش رہتے ہیں
تم ہو یہاں آزاد، یہ اپنے بچوں سے ہم کہتے ہیں

■

Jamal Akhtar
Near Jamia Urdu Road
Aligarh - 202002 (UP)

احمد عثمانی

کہانی

فخرو میاں

فخرو میاں صرف پانچ سال کے تھے۔ابھی میں بھی نہیں جاتے تھے۔بس گھر میں اور گلی میں پھرتے تھے اور امی کو پریشان کرتے تھے۔پتہ نہیں انھوں نے کہاں سے عادت پالی تھی کہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد شکر پھانکتے۔اگر امی انھیں ڈانٹتیں تو وہ رو رو کر پورا گھر سر پر اٹھالیتے۔کبھی کبھی تو پڑوسی بھی رونے کی آواز سن کر دوڑے دوڑے ان کے گھر چلے آتے۔

فخرو میاں کی اس عادت سے ان کی امی بہت پریشان تھیں ابّا میاں بھی پریشان تھے۔دادی اماں الگ چیختی چلاتی تھیں۔ انھیں دادی اماں نے کئی بار سمجھایا۔"بیٹا! شکر یا میٹھا کسی جگہ گرادیتے ہیں یا برتن میں رکھتے ہیں تو کچھ دیر بعد وہاں مکھیاں بھن بھناتی ہیں اور چونٹیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔اس طرح اگر ہم میٹھا کھاتے ہیں تو ہمارے پیٹ میں کرم اور کیچوے پیدا ہوجاتے ہیں پھر ہمیں ڈاکٹر صاحب یا حکیم صاحب کے پاس جاکر دوائیاں لینی پڑتی ہیں۔بیٹا ہماری مانو اتنی شکر نہ کھایا کرو۔ دادی اماں کی نصیحت کو فخرو میاں سیدھے کان سے سنتے اور الٹے کان سے نکال دیتے۔

فخرو میاں سے سارا گھر پریشان تھا۔کسی طرح بھی ان کی عادت چھوٹ نہیں رہی تھی۔کبھی کبھی ان کے پیٹ میں درد بھی ہوتا۔انہیں محلے کے حکیم صاحب کے پاس لے جایا جاتا اور پیٹ کے درد کی دوائیں کھلائی جاتیں۔حکیم صاحب بھی انھیں شکر کھانے سے منع کرتے لیکن فخرو میاں کہاں ماننے والے۔ جس طرح وہ دادی اماں کی نصیحت کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتے اسی طرح حکیم صاحب کی باتوں کو اپنے کان سے نکال دیتے۔پیٹ کا درد کم ہو یا نہ ہو وہ دوا کھانے کے بعد شکر کھانے کا مطالبہ کرنے لگتے۔ان کے رونے کی وجہ سے تنگ آکر اماں تھوڑی سی شکر ان کے ہاتھ پر رکھ دیتیں تو وہ پھانک لیتے۔کبھی کبھی وہ گھر والوں کی نظر بچا کر کچن میں چلے جاتے۔شکر کا ڈبہ کھول کر ایک مٹھی شکر جیب میں بھر لیتے اور تھوڑی سی پھانک بھی لیتے اور جس طرح چپکے سے

کچن میں گئے تھے اسی طرح چپکے سے نکل بھی آتے اور گلی میں گھومتے پھرتے جیب میں بھری شکر چٹ کر جاتے۔

ڈاکٹر صاحب اور حکیم صاحب سے پیٹ کے درد کا علاج تو کیا جاتا پھر پاس پڑوس کے لوگوں کے، خالہ نانی کے نسخے بھی آزمائے جاتے لیکن معاملہ یوں ہوتا کہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ کسی طرح فخرو میاں کی عادت چھوٹ نہیں رہی تھی۔ دادی اماں کہتیں۔ ''ارے یہ چھوکرے نے پتہ نہیں کہاں سے یہ عادت پال لی۔ دوسری عادت ہوتی تو چھڑانے کا آسان طریقہ تھا لیکن یہ شکر پھانکنے کی عادت توبہ! یہ کیسے چھوٹے گی معلوم نہیں؟'' پھر وہ کوئی تجربہ بیان کرتیں۔ ''ارے چٹھن کی بیٹی عرشیہ کو ایسی ہی ایک عادت لگ گئی تھی وہ مٹی پھانکنے لگی تھی اور مٹی کی دیواروں کو چاٹتی تھی تو ہم نے اس کی اس عادت کو چھڑانے کے لیے دیوار کو پوتتے وقت مٹی میں مرچ کی بکنی (پوڈر) ملا دی تھی۔ جب عرشیہ دیوار چاٹتی تھی تو اسے تیز محسوس ہوتا تھا۔ زبان لال بھبھوکا ہو جاتی تھی تو وہ دیوار چاٹنا چھوڑ کر پانی کی طرف بھاگتی تھی۔ پھر دیوار کو منہ نہیں لگاتی تھی۔'' اسے باہر اس لیے نہیں جانے دیا جاتا تھا کہ وہ مٹی کھا نہ لے لیکن فخرو میاں کو شکر کھاتے ہیں۔ شکر کو ڈبے میں یا تھیلی میں رکھی جاتی ہے۔ اس میں مرچ کی پکنی کیسے ملائیں وہ شکر میں ملانے کے بعد بھی دکھائی دیتی ہے۔ یہ پریشانی ہے۔

دادی اماں رات دن سوچتیں کہ فخرو میاں کی یہ عادت چھوٹ جائے۔ اماں اور ابا بھی حکیموں اور جانکاروں سے مشورہ کرتے لیکن کوئی مشوروں کارگر نہیں ہوتا۔ فخرو میاں کی وہی چال بے ڈھنگی تھی۔

فخرو میاں کی والدہ کبھی کبھی اپنے رشتے داروں کے یہاں جاتی تھیں۔ فخرو میاں بھی ساتھ ہوتے۔ جب فخرو میاں ساتھ ہوتے تو ان کی اماں اپنے ساتھ ایک تھیلی میں شکر رکھ لیتیں کہ فخرو میاں کی وجہ سے رشتہ داروں میں سبکی نہ ہو، جب کبھی فخرو میاں شکر طلب کرتے اماں ان کی ہتھیلی پر چٹکی دو چٹکی شکر رکھ دیتیں۔

ایک بار فخرو میاں کی اماں فخرو میاں کے ساتھ بہن کے یہاں گئیں۔ ان کی بہن نے دیکھا کے تھوڑی دیر بعد فخرو میاں

کی اماں انھیں شکر کھلا رہی ہیں تو انہوں نے پوچھا۔ ''باجی! کیا ماجرا ہے؟ آپ فخرو میاں کو شکر کھلا رہی ہیں اور تھیلی میں شکر بھی ساتھ لائی ہیں۔''

فخرو میاں کی اماں نے کہا۔ ''کیا کروں بہن؟ یہ لڑکا کسی طرح مانتا ہی نہیں۔ وہ جانتا ہی نہیں کہ اس کے شکر کھانے کی عادت سے ہم کتنے پریشان ہیں۔ جب اسے شکر نہ دو تو وہ رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیتا ہے۔ اس لیے میں نے آتے وقت شکر ساتھ لائی ہے کہ وہ جب طلب کرے دے دوں۔''

فخرو میاں کی خالہ نے کہا۔ ''باجی! آپ نے غضب کیا کہ تھیلی میں شکر لے آئیں۔ ارے ہمارے گھر میں کیا اس کی کمی تھی؟'' چند لمحے خاموش رہ کر فخرو میاں کی خالہ نے کہا۔ ''باجی! ایسے بچوں کی عادت تو بہت مشکل سے چھوٹتی ہے۔ ہم نے دیکھا اور پرکھا تو نہیں لیکن سنا ہے کہ ایک مولوی صاحب ہیں جن کی باتوں کا اثر بچوں اور بڑوں پر ہوتا ہے۔ وہ اسی گاؤں میں رہتے ہیں کیوں نا ہم ان سے فخرو میاں کے بارے میں مشورہ کریں۔''

دوسرے دن اپنے گھر جانے کی تیاری کے بعد فخرو میاں کی خالہ اور اماں پوچھتے پوچھتے مولوی صاحب کے یہاں پہنچ گئیں۔

انھوں نے دیکھا۔ ایک بزرگ جن کی سفید داڑھی کے بیچ نورانی چہرہ چمک رہا تھا۔ سر پر پگڑی بندھی تھی۔ وہ بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے۔ دونوں عورتیں نقاب میں تھیں۔ مولانا کو انھوں نے سلام کیا۔ مولانا نے انھیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر ان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ''کہیے کیسے تشریف لائیں؟''

فخرو میاں کی اماں نے فخرو میاں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''مولوی صاحب! یہ بچہ بہت ضدی بھی ہے اور دن بھر شکر کھانے کی ضد کرتا رہتا ہے۔ ہم اس کی اس عادت سے بہت پریشان ہیں کئی جتن کیے لیکن اس کی یہ عادت چھوٹتی نہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ کی نصیحت میں اللہ نے اثر رکھا ہے۔ اس لیے آپ کے پاس لے آئے۔''

ان کی باتیں سن کر مولانا نے کہا۔ ''آپ کل تشریف لے آئیں۔ کل ہم بچے کو نصیحت کریں گے۔''

فخرو میاں کی اماں نے مولوی صاحب سے کہا۔ ''مولوی صاحب! ہم بڑی دور سے آئے ہیں کل ہم کو آنے میں زحمت اٹھانی پڑے گی۔ کل کی نصیحت آپ آج ہی کر دیں تو مہربانی ہوگی۔'' مولانا نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''دیکھیے ہم آج بچے کو نصیحت نہیں کر سکتے کیونکہ آج ہم نصیحت کریں گے تو بچے پر اس کا اثر نہیں ہوگا۔ اس لیے آپ جائیے۔ کل آئیے انشاء اللہ بچے کی عادت چھوٹ جائے گی۔'' عورتیں کچھ سمجھ نہیں پائیں لیکن آج کی نصیحت کا بچے پر اثر نہیں ہوتا یہ ان کے پلے پڑ گیا اور وہ گھر چلی آئیں۔

آج فخرو میاں کی اماں کو اپنے گھر جانا تھا لیکن انھیں ایک دن کے لیے رکنا پڑا۔ دوسرے دن مولانا نے فخرو میاں کو اپنے بازو والی کرسی پر بیٹھایا اور ان سے باتیں کرنے لگے۔

مولانا نے فخرو میاں سے پوچھا۔ ''آپ کو کیا کیا پسند ہے؟''

فخرو میاں نے جواب دیا۔ ''ہمیں سب سے زیادہ شکر پسند ہے اور بادام پسند ہے جو ہمیں نہیں ملتی۔''

مولانا نے کہا۔ ''اگر ہم آپ کو شکر کی جگہ بادام دیں تو...؟''

فخرو میاں نے جھٹ کہا۔ ''تو ہم بادام کھائیں گے۔''

مولانا نے کہا۔ ''اگر شکر نہ دیں تو...''

فخرو میاں نے کہا۔ ’’ہم شکر نہیں کھائیں گے۔‘‘
پھر مولانا نے فخرو میاں کو شکر کے نقصانات بتائے۔
فخرو میاں نے مولانا کی باتیں سن کر اپنے کان پکڑے اور کہا۔ ’’آج سے شکر کھانا بند۔‘‘

مولانا نے ہنس کر کہا۔ ’’اور بادام کھانا شروع۔‘‘

مولانا کے ساتھ فخرو میاں، ان کی اماں اور خالہ بھی ہنسنے لگے۔
فخرو میاں کی اماں نے مولانا سے کہا۔ ’’مولوی صاحب! اگر آپ کل ہی یہ نصیحت فرما دیتے تو آج ہم گھر میں ہوتے۔ ہمارا ایک دن ٹوٹ گیا۔‘‘

مولانا نے مسکرا کر کہا۔ ’’بچے کی جس عادت کو چھڑانے کے لیے آپ ہمارے پاس لائی تھیں ہم بھی اس عادت کے عادی تھے۔ ہماری میز پر ایک کٹورے میں شکر رکھی رہتی تھی جس کے چند دانے تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہم منہ میں ڈال لیتے تھے۔ جس عادت کے ہم شکار تھے وہی عادت چھڑانے کے لیے آپ بچے کو ہمارے پاس لائی تھیں تو ہم کس منہ سے بچے کو شکر چھڑانے کی نصیحت کرتے؟ ہم کل تک شکر خورے تھے۔ کل سے ہم نے یہ عادت چھوڑ دی۔ اس لیے آپ کو آج بلایا کہ آج ہم نصیحت کرنے کے قابل ہو گئے۔ انشاء اللہ آپ کے بچے کی عادت چھوٹ جائے گی۔‘‘

دونوں عورتوں نے پہلے تو ہکا بکا ہو کر مولوی صاحب کی طرف دیکھا پھر وہ ہنسنے لگیں تو مولانا بھی ان کے ساتھ ہنسنے لگے۔

بچو! آپ کو معلوم ہے یہ مولانا کون تھے؟ یہ مولانا تھے۔ مولانا شبلی نعمانی، جنھوں نے بہت ساری کتابیں لکھیں۔ ان کی مشہور کتاب ہے ’سیرت النبیؐ‘ جو ہمارے حضرت محمدؐ پر لکھی ہے۔ اعظم گڑھ (یوپی) میں انھوں نے دارالمصنّفین قائم کیا تھا جو آج بھی ہے اور ان کے نام سے شبلی کالج بھی قائم کیا گیا ہے۔ شبلی کالج اور دارالمصنّفین کی زمین انھوں نے ہی دی تھی۔

جوابات: (1) تتلی، (2) پنکھا، (3) موم بتی، (4) جگنو، (5) پانی، (6) سائرن، (7) آسمان

شیخ رحمن اکولوی

لونار جھیل

ریاست مہاراشٹر کے ضلع بُلڈانہ میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے لونار۔ یہاں ایک جھیل ہے یہ دُنیا کی ان چار جھیلوں میں سے ایک جھیل ہے جو شہاب ثاقب کے گرنے سے وجود میں آئی اس شہاب ثاقب کی چوڑائی 60 میٹر تھی اور اس کا وزن 10 لاکھ ٹن تھا اور یہ 90,000 کلومیٹر گھنٹہ کی رفتار سے زمین سے ٹکرایا تھا۔ لونار جھیل کا قطر 1.8 کلومیٹر اور گہرائی 137 میٹر ہے سطح سمندر سے اس کی بلندی 1200 میٹر ہے اور 100 میٹر کے دائرہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ 19.58.'36° شمال اور 76.30'30° مشرق میں واقع ہے۔ اس کی شکل طشتری نما ہے۔ یہ دُنیا کی کھارے پانی کی پہلی جھیل ہے۔ اس جھیل کا ذکر پُرانوں اور آئینِ اکبری میں ملتا ہے۔ سائنسدانوں کے اندازے کے مطابق یہ جھیل 52 ہزار سال پہلے وجود میں آئی۔

لونار جھیل کا سیٹلائٹ فوٹو

1823 میں برٹش آفیسر C.Z.E. Alexandar نے لونار جھیل کے بارے میں تحقیق کی۔ 1896 میں امریکی

آرکیالوجسٹ G.K. Gilward نے لونار جھیل کا موازنہ Arizona جھیل (امریکہ) Bomsatwi جھیل (افریقہ) اور KVUBEK جھیل (کینیڈا) سے کیا۔

اس جھیل میں پائے جانے والے پتھر چاند کے پتھروں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ آرم سٹرانگ اور آلڈرین نے چاند سے مٹی اور پتھر کے جو ٹکڑے لائے تھے ان میں جو خصوصیات پائی گئی تھیں تقریباً اسی طرح کی خصوصیات یہاں کی مٹی اور پتھروں میں بھی پائی گئی ہیں۔ NASA کی تحقیق کے مطابق اس جھیل کے پتھروں میں مریخ کے پتھروں کی بھی مشابہت پائی جاتی ہے۔

سائنسدانوں کا خیال تھا کہ یہ جھیل کوہ آتش فشاں کے پھٹنے کی وجہ سے بنی لیکن تحقیق کرنے پر جب یہاں maskelynite پتھر پایا گیا تو پتا چلا کہ یہ جھیل شہاب ثاقب کے گرنے سے وجود میں آئی کیونکہ اس طرح کا پتھر شہاب ثاقب کے گرنے سے وجود میں آنے والی دوسری جھیلوں کے آس پاس بھی پایا گیا۔

لونار کیسے پہنچ سکتے ہیں

سڑک کے راستے سے:

(1) ممبئی، اورنگ آباد، جالنہ، سلطان پور ہوتے ہوئے لونار یہ سب سے نزدیکی اور کم مسافت والا راستہ ہے۔

(2) ناگپور، واشم، مہکر، لونار۔

(3) اجنتا، سندکھیڑ راجا، لونار

ریل کے راستے سے:

(1) ملکا پور، شیگاؤں یا اکولہ اتر کر مہکر کے راستے لونار پہنچ سکتے ہیں۔

ہوائی راستے سے:

لونار سے سب سے نزدیکی ایئرپورٹ اورنگ آباد ہے یہ فاصلہ 150 کلومیٹر کا ہے۔ یہاں سے ممبئی اور دہلی کے لیے ہر روز اڑانیں ہیں۔

لونار کے منادر:

لونار جھیل کے قرب و جوار میں کئی منادر ہیں۔ جیسے کماریشور مندر، گیا رام مندر، کمل جا مندر، ماروتی مندر وغیرہ ان میں کماریشور مندر اور گیا رام مندر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے

رام گیا مندر

کماریشور مندر کے بارے میں روایت مشہور ہے کہ یہاں ایک مقام پر سیتا نے اشنان کیا تھا یہ مقام سیتا نہانی کے نام سے مشہور ہے۔ رام گیا مندر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اپنے بن باس کے دنوں میں شری رام یہاں آئے تھے۔

ان منادر میں سنگ تراشی اور بُت تراشی کے بڑے ہی

لونار جھیل : شام کا منظر

مسکے لینائٹ پتھر

خوبصورت نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان قدیم زمانہ سے سنگ تراشی بُت تراشی اور معماری میں ترقی یافتہ رہا ہے۔

لونار جھیل سائنس سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بطور خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے پانی میں Alagae, Fungus, Parasite, Bicilli کے مختلف نمونے پائے گئے ہیں یہاں کی مٹی میں مقناطیسی اجزا ہیں پانی کا PH بھی بڑھا ہوا ہے۔

جھیل کے کنارے تقریباً نوے قسم کی نباتات پائی جاتی ہیں جلدی امراض، زخم سے خون بہنا، زخم بھرنے اور کالی کھانسی، دمہ اور دوسرے تنفس کے امراض کے لیے اکسیر کا درجہ رکھنے والی جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں۔ یہاں نیم، ببول، برگد، نیل گیری، گل مہر، ساگ اور کئی طرح کے پھلوں کے درخت بھی پائے جاتے ہیں خاص طور پر یہاں کا کیلا بہت لذیذ ہوتا ہے۔

صدیوں پہلے جھیل کے جھاگ سے ایک خاص قسم کا صابن تیار کیا جاتا تھا جسے مغل بادشاہ اور شہزادے استعمال کرتے تھے۔ یہاں آج بھی صابن گر نام سے ایک محلّہ مشہور ہے۔ اسی زمانے میں لونار میں شیشہ سازی کا بھی کارخانہ تھا شیشہ بنانے کے لیے جھیل کے پانی اور جھاگ کو کام میں لایا جاتا تھا۔

صبح کے وقت مختلف قسم کے پرندے جھیل پر اڑتے نظر آتے ہیں یہ منظر دل موہ لیتا ہے یہاں طوطے، مینا، بیا اور بگلوں کے علاوہ مور بھی پائے جاتے ہیں۔ مرغابیوں کے پانی میں ڈبکیاں لگانے کا منظر تو انتہائی دلکش ہوتا ہے اس جھیل کی سیر کے لیے روزانہ غیر ملکوں سے بھی سیاح یہاں آتے ہیں۔ موسم سرما شروع ہوتے ہی کوہ ہمالیہ سے کرڑا دھوبی نامی پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ جھیل پر آتے ہیں اور یہاں کے پیڑوں پر بسیرا کرتے ہیں اس لیے موسم سرما میں یہاں کی سیر کرنے کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ ■

Dr. Shaikh Rahman Akolvi
Deepak Chowk
Akola - 444006 (Maharashtra)

پہیلیاں: بوجھو تو جانیں جوابات: (1) بلی (2) پاجامہ (3) ریڈیو (4) گھڑی

سمیع الدین خاں شاداب

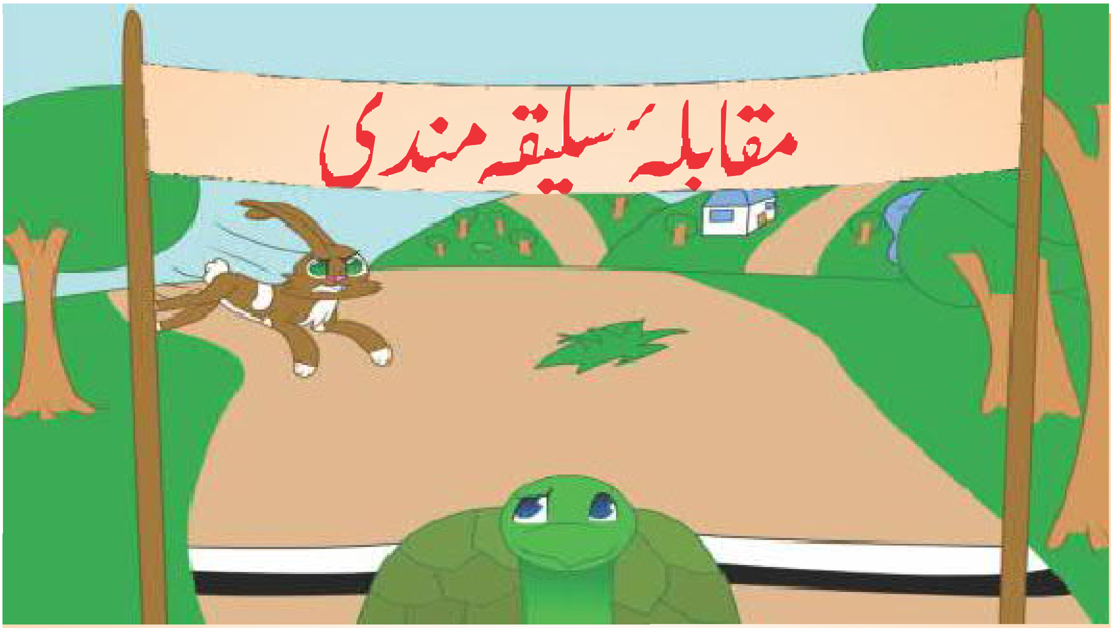

بچو! بہت دن پہلے کی بات ہے۔ کسی دریا کے کنارے گھاس کے ہرے بھرے میدان میں ایک خرگوش رہتا تھا۔ خرگوش بہت مغرور تھا۔ وہ اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھتا ہی نہیں تھا۔ ایک بار دوڑ کے مقابلے میں اس کے دادا کسی کچھوے سے ہار گئے تھے لیکن اس ہار کے بارے میں اس خرگوش کا خیال تھا کہ اس کے دادا جان کے ساتھ بے ایمانی ہوئی تھی جب اُن کو نیند آ گئی تو اس مقابلہ کا فائدہ ہی کیا ہوا۔ بات تو تب تھی جب ان کو جگا دیا جاتا اور ان کو مسلسل دوڑنے کا موقع ملتا۔ خرگوش کو تو اس مقابلے کے امپائر اور کچھوے دونوں کی نیت پر شک تھا۔ وہ اب تو کھل کر کہنے لگا تھا کہ دادا جان کے مقابل نے امپائر سے سانٹھ گانٹھ کر لی تھی معاملہ فکسنگ کا تھا۔ اب تو خرگوش کو اپنی چھلانگ پر بڑا غرور تھا۔

جس دریا کے کنارے خرگوش رہتا تھا اسی دریا میں ایک مینڈک بھی رہتا تھا۔ اس کا ہرا رنگ دریا کے کنارے کی ہری ہری گھاس سے اتنا ملتا جلتا تھا کہ اکثر خرگوش کو دھوکا ہو جاتا اور جب وہ گھاس چرتے چرتے مینڈک کے بالکل پاس چلا جاتا اور مینڈک اچانک اچھل کر دور جاتا تو خرگوش کا دل دھک دھک کرنے لگتا وہ ڈر جاتا اور اکثر سوچتا ''اس کمبخت مینڈک کو کودنے کا سلیقہ بھی تو نہیں ہے۔''

اسی دریا کے اندر ایک مچھلی بھی رہتی تھی۔ مچھلی یوں تو بہت شریف تھی لیکن اس کے دماغ میں نہ جانے کون سی خرافات گھر کر گئی تھی کہ وہ مچھلیوں کو ہی تمام جانداروں کا باوا آدم مانتی تھی۔ مچھلی اور مینڈک کی بڑی اچھی اور پکی دوستی تھی۔ مینڈک تو ٹھہرا خشکی اور پانی دونوں جگہ پر رہنے والا۔ وہ اکثر تفریح کے لیے یا پھر غذا کی تلاش میں دریا سے باہر آ جاتا۔

خرگوش جب بھی مینڈک کو ہری ہری گھاس پر اچھلتے ہوئے دیکھتا تو اس کو کچھ عجیب سا لگتا اور وہ دل ہی دل میں سوچتا ''یہ مینڈک ہے تو مجھ سے چھوٹا لیکن اچھلتا کافی اونچا ہے۔'' لیکن پھر اس کا غرور اس کی پیٹھ تھپک دیتا ''خیر یہ مجھ سے اونچا بھلے ہی کودتا ہو لیکن اس کی چھلانگ میں میری

چھلانگ جیسی شان کہاں؟ مجھ میں کودنے کا جو سلیقہ ہے، جو خوبصورتی ہے وہ اس بیچارے میں کیسے ہو سکتی ہے؟'' یہ سوچتے سوچتے وہ اکثر اونگھ جاتا یہ اس کی خاندانی عادت تھی۔

ایک دن جب مینڈک گھاس پر چھوٹے چھوٹے کیڑوں مکوڑوں کا شکار کر رہا تھا خرگوش اس کے پاس آیا اور بولا ''اوہو! تم تو بڑے رنگین دکھائی دیتے ہو۔ تمھارا نام کیا ہے اور تم کہاں رہتے ہو؟''

مینڈک نے اپنا تعارف دیتے ہوئے کہا۔

''میرا نام ٹرّو مینڈک ہے اور میں پاس کے دریا میں ہی رہتا ہوں، میں تو اکثر یہاں ندی کنارے گھاس پر آتا ہوں اور آپ کون ہیں؟''

میں! ارے مجھے تو سب جانتے ہیں۔ میں ربیو ہوں میں یہیں گھاس کے میدان میں رہتا ہوں۔ میں بہت تیز دوڑ سکتا ہوں اور میری چھلانگ! اس کی تو کوئی مثال ہی نہیں ہے۔

مینڈک نے اپنا کوئی تعریفی تعارف نہیں دیا۔ وہ بڑے دھیان سے خرگوش کی باتیں سنتا رہا۔ خرگوش کو مینڈک کی یہ بات بہت پسند آئی اور اس نے مینڈک سے دوستی کی پیش کش کی اور اس طرح دونوں میں دوستی ہوگئی۔

دھیرے دھیرے ان دونوں میں دوستی بڑھتی گئی۔ مینڈک اور خرگوش اکثر دریا کے کنارے بیٹھے کافی دیر تک ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہتے۔ مینڈک خرگوش کو ندی کے اندر کے حالات بتاتا اور خرگوش اس کو جنگل کے ماحول کی باتیں بتاتا۔

ایک دن باتوں ہی باتوں میں مینڈک نے اپنی دوست مچھلی کا ذکر کر دیا۔ خرگوش نے جب مچھلی کے بارے میں سنا تو اس کو بہت اچھا لگا اس نے یوں ہی پوچھ لیا ''کیا مچھلی اُچھلنا بھی جانتی ہے؟''

''ہاں! کیوں نہیں؟ وہ تو مجھ سے بھی اچھا اچھلنا جانتی ہے، وہ تو مجھ سے کافی اونچا کود سکتی ہے، ہم تو اکثر ندی کے پانی میں کودتے ہیں ور تب بڑا مزہ آتا ہے۔ چاندنی رات میں تو مچھلی رانی اتنا اونچا اچھلتی ہے کہ بس...!''

خرگوش کو یہ سن کر بہت رشک ہوا۔ ''اچھا مچھلی کیا مجھ سے بھی اونچی اچھلتی ہوگی؟'' پھر خود کو تسلی دیتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں کہا ''نہیں، نہیں، مچھلی بھلا مجھ سے اونچا کیسے اچھلتی ہوگی، نہیں، قطعی نہیں، بھلا مجھ سے اچھا کوئی کیسے اچھل سکتا ہے؟'' اور اس طرح خرگوش نے خود کو سمجھا لیا۔ لیکن مینڈک جب کبھی مچھلی کا ذکر چھیڑتا تو خرگوش کے دل میں یہ بات آتی کہ نہ معلوم مچھلی کس طرح کودتی ہوگی؟

ایک دن خرگوش نے مینڈک سے دل کی بات کہہ ہی دی۔

''ٹرّو بھائی! کیا تم جانتے ہو، میں تم سے اور مچھلی سے زیادہ بہتر اُچھل سکتا ہوں۔''

مینڈک نے فوراً جواب دیا ''ربیو بھائی! یہ میں کیسے بتا سکتا ہوں' جب تک ہم تینوں اچھل کر دیکھ نہیں لیتے کہ ہم میں سے کون سب سے اچھا کودتا ہے؟''

خرگوش کو بس اسی بات کا انتظار تھا وہ بہت بے چینی سے بولا ''تو ٹھیک ہے ہمارے درمیان ایک مقابلہ ہو جائے۔''

مینڈک نے بھی مقابلے کی بات مان لی اور اس نے یہ بات مچھلی تک بھی پہنچا دی۔ مچھلی بھی راضی ہوگئی۔

اب ان تینوں میں ایک مقابلہ طے ہوا۔ اس مقابلے کی خبر پورے علاقے میں بڑی تیزی سے پھیلنے لگی۔

پھیلتے پھیلتے یہ خبر اس علاقے کے سردار تک پہنچ گئی۔

سرداری بات کا پتہ لگانے کے بعد سردار نے تمام معلومات اس ملک کے بادشاہ تک پہنچا دیں۔ اس انوکھے مقابلے سے بادشاہ کو بھی تجسس ہوا اور انھوں نے سردار سے کہلوادیا کہ اس مقابلے کا اور اس سے متعلق سارے پروگرام کا انتظام سردار خود اپنے طور پر سنبھالیں اور مقابلہ جیتنے والے کو ایک اچھا سا انعام بھی دیں۔ خود بادشاہ سلامت نے یہ حکم جاری کیا کہ مقابلے میں جیتنے والے کو معقول انعام کے ساتھ ہی قومی جانور کا اعزاز بھی بخش جائے گا۔

سردار کو اس مقابلے میں اتنی دلچسپی تھی کہ اس نے اعلان کر دیا کہ اس مقابلے میں اوّل آنے والے کو ندی کے کنارے والا سبز حصہ انعام کے طور پر دیا جائے گا اور جیسا کہ بادشاہ نے کہا تھا اس کے مطابق اوّل آنے والے جانور کو ہی اس ملک کے قومی جانور ہونے کا اعزاز بھی ملے گا اور ملک کے تمام ضروری دستاویزوں پر اس جانور کی تصویر ہوا کرے گی۔ جب یہ مقابلہ انعامی مقابلے میں تبدیل ہو گیا تو اس کی شہرت اور زیادہ ہو گئی۔ لوگ بڑی بے صبری سے مقابلے کے دن کا انتظار کرنے لگے۔

اور پھر مقابلے کا دن بھی آ ہی گیا۔

مقابلہ دیکھنے کے لیے بادشاہ سلامت اور ان کی ملکہ کے ساتھ ہی ان کی چھوٹی سی بیٹی بھی آئی تھی شہزادی بہت ہی خوبصورت تھی۔ سفید لباس میں وہ ایسی لگ رہی تھی جیسے پریوں کے دیس سے کوئی ننھی منی پری آئی ہو۔

خرگوش اور مینڈک ندی کے کنارے کھڑے تھے اور ندی کے اندر مچھلی ادھر سے اُدھر تیرتی پھر رہی تھی۔ تاکہ امپائر کی سیٹی بجے اور ان کو اپنی اپنی چھلانگ کے جوہر دکھانے کا موقع ملے۔

پہلی بات تو یہ کہ یہ مقابلہ نہ تو لمبی کود کا مقابلہ ہے اور نہ ہی اونچی کود کا مقابلہ ہے۔ یہ مقابلہ ایک ایسی کود کا مقابلہ ہے جس کو دیکھ کر آپ تمام حاضرین خوش ہو جائیں اور جس سے امیدوار کی سلیقہ مندی کا پتہ چلے۔ یعنی ''بہتر کود کا مقابلہ۔''

وہاں موجود لوگوں نے ایک دوسرے کا منھ دیکھا۔۔۔۔

''بہتر کود!!! ابھی تک تو لمبی کود اور اونچی کود کا نام ہی سنا تھا، یہ ''بہتر کود'' کیا ہے؟ خیر ہوگی کچھ، ہم کو تو تماشہ دیکھنے سے مطلب ہے اور ساتھ ہی یہ دیکھنا ہے کہ آخر کار قومی جانور کون بنتا ہے؟''

کارندہ آگے کہہ رہا تھا۔

''دوسری شرط۔ مقابلے میں حصہ لینے والے تینوں امیدوار امپائر کی سیٹی بجانے پر ایک ساتھ اپنی جگہ سے نہیں اچھلیں گے بلکہ ان کو حروفِ تہجی کی ترتیب سے لگایا گیا ہے۔''

''حروفِ تہجی کی ترتیب سے یعنی Fish (مچھلی)، Frog (مینڈک) اور Rabbit (خرگوش)'' وہاں موجود لوگوں نے پوری ترتیب اپنے اپنے ذہن میں پہلے سے ہی طے کر لی۔''

کارندے کی بلند آواز پھر گونجی۔

''حروفِ تہجی کے اعتبار سے۔ یعنی 'خ' سے خرگوش سب سے پہلے؛ اس کے بعد 'م چھ' سے مچھلی اور سب سے آخر میں 'م ئے' سے مینڈک''

یہ کیسی ترتیب ہے! اردو کے حروفِ تہجی کی ترتیب!! پہلی بار ایسی ترتیب سنی، واقعی بڑی اچھی ترتیب ہے، سردار شاید اردو پر زیادہ زور دے رہے ہیں۔ چلو اچھی بات ہے مگر کہیں وہ اس کا کوئی سیاسی فائدہ تو حاصل نہیں کرنا چاہتے؟'' لوگوں میں چہ می گوئیاں شروع ہو گئیں۔

کارندے نے آگے بولنا شروع کیا۔

''نام پکارنے کے فوراً بعد مقابلے میں حصہ لینے والا امیدوار بادشاہ سلامت کے سامنے بنی ہوئی مخصوص جگہ پر جہاں پر وہ پہلے سے موجود ہے کودنے کے لیے تیار ہو جائے گا اور جیسے ہی امپائر سیٹی بجائے گا امیدوار اس طرح اچھلے گا کہ اس کی چھلانگ سے اس کی سلیقہ مندی کا اندازہ لگایا جا سکے۔ صرف مچھلی پانی کے اندر سے ہی اچھلے گی اور پانی کی سطح سے اونچائی پر اس طرح آئے گی کہ اس کو دیکھا جا سکے بالکل اسی طرح جیسے چاندنی رات میں اکثر مچھلیاں ندی میں اچھلتی ہیں۔''

کارندہ دم بھر کو سانس لینے کے لیے رکا پھر خرگوش اور مینڈک کی طرف منھ کر کے بولا۔

''ایک بار پھر آپ کو یاد دلا دیں کہ یہ مقابلہ نہ تو اونچی کود کا ہے اور نہ لمبی کود کا، یہ مقابلہ ہے بہتر کود کا اور آپ کی سلیقہ مندی ہی آپ کی کود کا بہتر ہونا یا بہتر نہ ہونا طے کرے گی۔''

''سلیقے کا فیصلہ خود بادشاہ سلامت، ملکہ عالیہ اور شہزادی صاحبہ کریں گے۔''

''حروفِ تہجی کے مطابق پہلے خرگوش چھلانگ لگائے گا پھر مچھلی اور آخر میں مینڈک۔''

''بڑی لمبی تمہید باندھ رہا ہے یہ کارندہ۔'' خرگوش کو جمائیاں آنے لگیں اور پھر دھیرے دھیرے اس کی آنکھیں جھپکنے لگیں۔

مینڈک بہت سکون سے اکڑوں بیٹھا کارندے کے بتائے ہوئے اصول وقواعد بڑے غور سے سن رہا تھا۔ دریا میں تیرتی مچھلی ندی کے بالکل کنارے پر آ گئی تھی اور بڑی لاپرواہی سے پانی میں ادھر ادھر تیر رہی تھی ایسا لگ رہا تھا کہ اس کو پورا یقین تھا کہ ہر حال میں جیت اس کی ہی ہوگی۔

کارندے نے جیسے ہی بولنا بند کیا، امپائر نے بلند آواز سے خرگوش کا نام پکارا اور پھر زور سے سیٹی بجائی۔

خرگوش جواب تک اونگھ رہا تھا سیٹی کی آواز سن کر ہڑبڑا گیا اور بجائے کودنے کے اس نے دوڑنا شروع کر دیا۔ وہاں موجود لوگ بے ساختہ قہقہے مار کر ہنسنے لگے۔ لوگوں کے ہنسنے کی آواز سے خرگوش کے کان کھڑے ہوئے اور اب اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا لیکن گھبراہٹ اور جلد بازی میں اب اس سے اور بھی بڑی غلطی ہو گئی۔ وہ لمحہ بھر کے لیے رُکا اور پھر بڑے بے ڈھنگے پن سے اس نے ایک چھلانگ لگا دی۔ اتنے بے ڈھنگے پن سے کہ اب کی بار بادشاہ، ملکہ، شہزادی اور سردار کی بھی ہنسی نکل گئی۔ لوگ ہنستے ہنستے دوہرے ہوئے جا رہے تھے۔ کچھ منھ پھٹ لوگ تو کہہ رہے تھے ''یہ خرگوش تو بڑا ہی بے سلیقہ ہے۔'' کچھ لوگ طنز کرتے ہوئے کہہ رہے تھے ''ارے بھئی! سلیقہ مندی کا پہلا انعام تو خرگوش کو ہی ملنا چاہیے۔'' کچھ سنجیدہ لوگ کہہ رہے تھے ''قومی جانور کا رتبہ تو بہت بڑا ہوتا ہے، اس بے ڈھنگے خرگوش کو تو قومی جانور ہرگز نہیں بنانا چاہیے۔''

خود خرگوش کو بھی لگ رہا تھا کہ اس سے کچھ غلطی تو ضرور ہوئی ہے۔ وہ سوچ رہا تھا ''یہ کمبخت نیند! ماں نے ہزار بار سمجھایا تھا۔ جو سویا وہ کھویا۔ مگر میری یہ جھپکی لینے کی عادت...'' سوچتے سوچتے خرگوش کو پھر جھپکی آنے لگی۔

لوگوں کی ہنسی تھم چکی تھی۔ مقابلے میں شرکت کرنے والے دوسرے امیدوار کی چھلانگ دیکھنے کے لیے لوگ بے صبری سے انتظار کر رہے تھے۔ امپائر کی آواز پھر گونجی۔

''مچھلی تیار رہے'' اور جیسے ہی امپائر کی سیٹی بجی۔ پانی سے بل کھاتی، اٹھلاتی چاندی جیسے روپہلے رنگ والی، اجلی، خوبصورت اور سڈول جسم والی مچھلی کچھ اس شان سے اچھلی کہ وہاں موجود ہر دیکھنے والے کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں لیکن مچھلی نے کچھ اس زور سے چھلانگ لگائی تھی کہ وہ اوپر جا کر خود کو قابو میں نہ رکھ سکی اور اس کی واپسی کچھ زیادہ ہی زوردار ہو گئی۔

''چھپاک....'' اور پانی کی بہت سی چھینٹیں سردار کے کپڑوں پر آئیں جو ندی کے کنارے ہی کھڑا تھا۔ سردار گھبرا کر پیچھے ہٹا دوسرے کئی لوگوں پر بھی پانی کی چھینٹیں آئیں۔ سردی کا موسم اور ٹھنڈے ٹھنڈے پانی کی چھینٹیں! کسی کو بھی یہ بات

اچھی نہ لگی۔

اب باری تھی مینڈک کی جو اپنے ساتھیوں کی چھلانگیں بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

امپائر نے جیسے ہی مینڈک کا نام پکارا۔ مینڈک نے اپنا پورا جسم اپنے قابو میں کر لیا اور پورا دھیان بہتر چھلانگ پر لگا دیا۔ اس نے پہلے سے ہی اپنے ذہن میں اپنی چھلانگ کے بارے میں سوچ لیا تھا۔

سیٹی بجی۔ مینڈک اچھلا اور بڑی سبک اندازی سے شہزادی کی گود میں جا کر بیٹھ گیا جو بڑے غور سے مینڈک کو دیکھے جا رہی تھی۔ مینڈک کا ہرا ہرا رنگ، اس کے اکڑوں بیٹھنے کا ڈھنگ، گول گول آنکھوں سے اپنے ساتھیوں کی چھلانگوں کا سنجیدگی سے جائزہ لینا اور بغیر کوئی ردعمل ظاہر کیے اپنی جگہ پر پوری یکسوئی اور خوداعتمادی سے ڈٹے رہنا شہزادی کے دل کو بھا رہا تھا۔ مینڈک جیسے ہی شہزادی کی گود میں جا کر بیٹھا پہلے تو شہزادی چونک گئی لیکن فوراً ہی اس نے تالیاں بجا کر اپنی خوشی ظاہر کرنا شروع کر دی۔

شہزادی کو تالیاں بجاتا دیکھ کر وہاں موجود سب لوگ بڑے زور زور سے تالیاں بجانے لگے۔

مینڈک نے شہزادی کا دل جیت لیا تھا وہی شہزادی جو وہاں موجود ہر شخص کو اچھی لگ رہی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں بادشاہ سلامت اور ملکہ اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور شہزادی کے پاس آئے جو اب بھی مینڈک کو اپنی گود میں لیے بیٹھی تھی۔ ہرا ہرا خوبصورت مینڈک شہزادی کی سفید پوشاک پر بیٹھا ہوا بہت ہی اچھا لگ رہا تھا۔

بادشاہ نے اپنی رعایا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ”پیارے دیش واسیو! جیسا کہ آپ سب نے خود دیکھا، سب سے اچھی طرح یہ مینڈک ہی کودا ہے۔ نہ ہڑبڑایا، نہ گھبرایا، نہ کوئی بے ڈھنگی حرکت کی، وقت اور کود میں بہت اچھا تال میل رہا اور اس کی واپسی! وہ تو بڑی ہی دلکش رہی یہ ہماری پیاری بیٹی کی گود میں آ کر بیٹھ گیا اور ہماری بیٹی تو اس سے بہت ہی خوش ہے۔ بے شک سلیقہ مندی تو اس کو ہی کہیں گے۔“ پھر وہ سرداروں کی طرف دیکھ کر بولے۔ ”آپ تو اس مینڈک کو انعام کے طور پر اس علاقے میں ندی کے کنارے والا میدان دے رہے ہیں؛ ہمارا بھی یہ فیصلہ ہے آج سے یہی ہمارا قومی جانور ہوگا اور ہمارے تمام سرکاری دستاویزوں پر مینڈک کی تصویر ہوا کرے گی؛ اس کے علاوہ اس یادگار دن کے واقعات کو ذہنوں میں زندہ رکھنے کے لیے ہم ایک یادگاری ٹکٹ بھی جاری کریں گے۔“

لوگوں نے بلند آواز میں نعرے لگانا شروع کیے ”بادشاہ سلامت زندہ باد، ملکہ عالیہ زندہ باد، شہزادی صاحبہ زندہ باد“ ہر شخص کی زبان پر تھا ”بادشاہ سلامت کا فیصلہ بالکل صحیح ہے۔“

ہر طرف سے آواز آ رہی تھی ”مینڈک۔ سلیقہ مند مینڈک، مبارک ہو، مبارک ہو۔“ ہر شخص اور وہاں موجود سبھی جانور، چرندے، پرندے مینڈک کو مبارکباد دے رہے تھے۔

مینڈک کے دوست خرگوش اور مچھلی بھی اس کی سلیقہ مندی کی تعریف کر رہے تھے اور اس کو مبارکباد دے رہے تھے اور مینڈک بڑی خندہ پیشانی سے سب کی مبارکباد قبول کر رہا تھا۔

■

Dr. Samiuddin Khan Shadab
Asst. Prof. Dept of Urdu
Hindu (P.G) College
Moradabad- 244001 (UP)

سعدیہ پروین

چمپو بندر کی چالاکی

جنگل میں رہنے والا چمپو بندر بہت ہی شرارتی تھا۔ وہ سارا دن جنگل میں پیڑوں کی ڈال کو توڑتا رہتا تھا۔ یہی نہیں موقعہ پاتے ہی چمپو جنگل کے کسی نہ کسی جانور کے ساتھ شرارت کر بیٹھتا تھا۔ اس کی ان شرارتوں سے اس کے ماں باپ بھی پریشان تھے وہ کبھی اس کو سمجھاتے تو کبھی پٹائی بھی کر بیٹھتے۔ چمپو تھا کہ سدھرنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ ایک دن ایسی ہی کسی شرارت پر چمپو کے پاپا نے چمپو کی خوب پٹائی کی۔ غصہ میں چمپو گھر چھوڑ کر شہر چلا گیا۔ شہر میں فٹ پاتھ پر ایک پیڑ کے نیچے نائی ایک آدمی کے بال کاٹ رہا تھا۔ چمپو یہ سب دیکھ رہا تھا بال کاٹ چکنے کے بعد نائی نے گاہک کی گردن پر پاؤڈر لگایا اور اس کو برش سے صاف کیا گاہک نے جیب سے پیسے نکال کر نائی کو دیا۔ گاہک کے جانے کے بعد نائی پاس کی دوکان میں چائے پینے چلا گیا۔ ادھر دوکان کو خالی دیکھ کر چمپو وہاں پہنچ گیا۔ اس نے گاہک کی کرسی پر بیٹھ کر اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھا تو اسے بڑا مزا آیا۔ یکا یک چمپو کو نہ جانے کیا سوجھا اس نے سارا سامان اُٹھا کر بکسے میں رکھا پھر شیشہ چادر میں لپیٹ کر جنگل کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ نائی نے چمپو کو بھاگتے دیکھا تو پکڑو..... پکڑو..... چلاتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑا پر چمپو ہاتھ نہ آیا۔ جنگل میں پہنچ کر چمپو نے اپنے گھر سے تھوڑی دور ایک پیڑ کے نیچے دری بچھائی اور سب سامان نکال کر سجا دیا۔ ادھر سے گزرنے والے جانوروں کو بلانے لگا لیکن سبھی جانور اس کی چال سمجھ کر نکل جاتے۔ جب کوئی گاہک نہیں ملا تو چمپو نے اپنی بہن چنکی کے بال کاٹنے شروع کر دیے دیکھتے ہی دیکھتے بھیڑ جمع ہوگئی۔ سب سے پہلے ننھی گلہری آئی۔ ”چمپو بھیا میری پونچھ کو خوبصورت بنا دو“ کہتے ہوئے وہ دری پر بیٹھ گئی۔ چمپو نے قینچی لے کر اس کی ہلکی سی کٹنگ کی۔ گلہری نے اسے دو روپیے دیے۔

اس کے بعد چمپو نے زیبرے کی دُم کو خوبصورت بنا دیا اور اس سے پانچ روپیہ لیے۔ تھوڑی ہی دیر میں سات روپیہ کما کر چمپو خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ یہ اس کی پہلی کمائی تھی۔ اب وہ گھر جانے کی سوچ رہا تھا کہ کالو بھالو آ پہنچا۔ ”بندر کے بچے سنا ہے تم نے سیلون کھول لیا ہے چل میرے بال بنا۔“ کہتے ہوئے وہ چادر پر بیٹھ گیا۔

چمپو کالو کو سر سے پاؤں تک دیکھا بال ہی بال تھے۔ وہ گھبرا گیا۔ سوچا انکار کر دے مگر ایسا کرنا اپنی ہڈی پسلی ایک کرنا تھا۔ کافی دیر تک محنت کرنے کے بعد چمپو کالو کی کٹنگ پوری کر پایا۔ بال کٹنے کے بعد اس نے اپنے آپ کو آئینہ میں دیکھا اور مسکرایا پھر دو روپیہ نکال کر چمپو کو پکڑا دیے۔ دو روپیہ کا نوٹ دیکھ کر چمپو کو جھٹکا لگا وہ بولا یہ تو کم ہے بیس روپیہ دیجیے۔ ”بیس روپیہ“ بھالو غصہ سے بولا ”لوٹ ہے کیا؟“

مجھے گلہری نے بتایا کہ تم نے اُس سے دو روپیہ لیا۔ چمپو بولا ”مگر وہ تو بہت چھوٹی ہے“ چپ میں دو روپیہ سے زیادہ نہیں دوں گا تجھے جو کرنا ہے کر لے۔ یہ کہہ کر بھالو چلا گیا۔

چمپو کا موڈ خراب ہو گیا اس نے ارادہ کیا کہ کسی بھی طرح وہ کالو سے پیسہ لے کر رہے گا۔

شام میں چمپو نے کالو کو ڈھونڈ لیا۔ چمپو بھی اس کے ساتھ ساتھ ٹہلنے لگا۔ پیسوں کا اس نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد انھیں ایک لومڑی ملی سلام کے بعد چمپو نے بتایا ''پتا ہے کالو انکل کے بال میں نے کاٹے ہیں گلہری نے دو روپیہ دیے زیبرے نے پانچ روپیہ دیے اور کالو انکل نے دو روپیہ دیے''

''کالو انکل نے بس دو ہی روپیہ دیے۔ ارے.....''

کہتے ہوئے لومڑی بھالو کی طرف دیکھ کر مسکرا دی اور وہ چپ چاپ وہاں سے آگے بڑھ گئی۔

کالو کو لومڑی کا برتاؤ اچھا نہیں لگا وہ چمپو سے بولا ''تمھیں اس سے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ میں نے دو روپیہ دیے؟''

کیا غلطی ہوگئی؟ معافی چاہتا ہوں۔'' آیندہ دو روپیہ والی بات نہیں کہوں گا۔'' چمپو نے بھولا بنتے ہوئے کہا۔ کچھ دور آگے جانے پر انھیں ایک ہرن ملا بولا ''ارے واہ کالو کاکا تم تو بڑے اسمارٹ لگ رہے ہو شہر سے آئے ہو کیا؟''

چمپو جلدی سے بولا ''اسمارٹ کیسے نہیں لگیں گے؟'' میں نے ان کی کٹنگ جو کی ہے۔ ''گلہری کی پونچھ کے دو روپیہ، زیبرا کے پانچ روپیہ ملے اور کالو انکل کے سارے بدن کی کٹنگ کے ہاں..... کچھ پیسے ملے ہیں''

ہرن سمجھ گیا کہ پیسے بہت کم تھے اس کے منھ سے بس یہی نکلا ''ارے مگر کیوں'' اور وہ بھی آگے بڑھ گیا۔ ہرن کے جاتے ہی کالو چمپو پر برس پڑا ''تمھیں ہر کسی سے میرے پیسوں کے بارے میں کہنے کی کیا ضرورت ہے۔'' وہ غلطی ہوگئی انکل چمپو بھولے پن سے بولا ''پھر مجھے کیا کہنا چاہیے؟''

کچھ نہیں بیوقوف میرے پیسوں کا کسی سے کوئی ذکر ہی نہ کرو۔ ''ٹھیک ہے'' چمپو نے کہا۔

ابھی کچھ ہی قدم آگے بڑھے تھے کہ ہاتھی دادا آتا ہوا دکھائی دیا، بولا ''ارے واہ میاں کالو آج تو بڑے جچ رہے ہو کیا بات ہے'' اس سے پہلے کالو کوئی جواب دیتا، چمپو بولا ''انھوں نے مجھ سے کٹنگ کرائی ہے۔ گلہری کی پونچھ کے دو روپیہ، زیبرے کے پانچ روپیہ ملے اور کالو انکل نے پورے جسم کی کٹنگ کے کتنے پیسہ دیے یہ میں نہیں بتا سکتا۔'' ہاتھی دادا سونڈ کو ہلاتے ہوئے بولا ''کنجوس کہیں کا'' اور پھر جھومتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

اب تو کالو شرم سے ڈوبا جا رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں آگیا کہ چمپو اپنی حرکت سے باز آنے والا نہیں ہے۔ کتنی چالاکی سے اس کی عزت کی حجامت بنا کر رکھ دی۔ آخر اس سے رہا نہیں گیا اور چیخ کر بولا ''آخر تو چاہتا کیا ہے میرے باپ؟'' ''کچھ بھی تو نہیں'' چمپو انجان بنتے ہوئے بولا ''میں تو صرف آپ کے ساتھ گھوم رہا تھا صحت کے لیے اچھا ہوتا ہے نہ اس لیے۔''

''پر میری صحت کے پیچھے کیوں پڑا ہے؟'' کہتے ہوئے کالو نے پرس کھول کر بیس بیس کے دو نوٹ نکال کر چمپو کے ہاتھ میں رکھتے ہوئے بولا ''یہ لو اب تو خوش؟'' جاؤ اب میرا پیچھا چھوڑ دے۔

کالو انکل یہ تو بہت زیادہ ہیں۔ مجھے تو صرف بیس روپیہ چاہیے تھے اور ''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے'' اس نے چٹکی لیتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب ہے تیرا؟ کیا میرا دماغ خراب ہے؟'' کالو غصہ سے بولا 'رکھ لے۔ رکھ لے بیس روپیہ کٹنگ کے اور بیس روپیہ اپنے منھ بند کرنے کے ہر وقت پٹر..... پٹر..... پٹر بولتا رہتا ہے۔''

''اور وہ پہلے والے دو روپیہ؟'' اوہ غلطی ہوگئی ان کا تو مجھے ذکر ہی نہیں کرنا ہے.....

کہہ کر چمپو وہاں سے نو دو گیارہ ہوگیا۔ کالو بھالو کو اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ اس کی کنجوسی اُسے لے ڈوبی۔ بیس کے بیالیس دینے پڑے۔ کالو بھالو نے عزم کیا کہ آج سے وہ کنجوسی چھوڑ دے گا۔

....جاری

Sadia Parveen
Research Scholar ,Dept of Urdu
Aligarh Muslim University, Aligarh-202002(UP)

داستان گو آیا ہے

مصنف: [illegible]

مصور: فخر الدین

کہیں چندن کے پیڑ مہک رہے تھے
تو کہیں پیڑوں پر لگے پھول چہک رہے تھے۔
کہیں بڑے سے پیر پر پتلی سی بیل چڑھی تھی
اور کسی پیڑ کی داڑھی زمین میں گڑی تھی۔
غرض یہ کہ چھوٹے یا بڑے
پھولوں سے لدے یا کانٹوں سے بھرے
سب کے سب مل جُل کر ایسے رہتے تھے۔
جیسے وہ ایک ہی جسم کے حصے تھے۔

جنگل کیا تھا، زِندگی کا ہنستا ہُوا چہرہ تھا
ہر طرف خوشیوں کا پہرہ تھا۔
کہانی کا لکڑہارا، دیکھ دیکھ کر حیران
بار بار اُس کے مُنہ سے نکلے ۔یا مولا۔ تیری شان۔
پھر اُس نے سوچا
اور خود کو کہتے سُنا
کہ آدم کی زِندگی میں ایسا کیا ہے

کہیں راستے روشن ہو گئے ہیں اور کہیں اندھیرا چھا گیا ہے
کوئی سکھوں کی نیند سوتا ہے اور کوئی دُکھوں کے اندھیرے میں بھٹک رہا ہے۔

لکڑہارے نے اِتنا تو سوچ لیا۔
مگر اِس کے آگے نہ بڑھ سکا
آخر تو بیچارہ صِرف لکڑہارا تھا
وہ لکڑی کاٹنے کے تصور میں بھٹک گیا۔
اور اُس نے سوچا
میرے پاس کلہاڑی ہوتی تو ایک بوجھ لکڑی کاٹ لیتا۔

جنگل کی عظمت دیکھ کر وُہ بھول گیا تھا کہ وُہ سپنا دیکھ رہا ہے۔
وُہ سمجھتا تھا کہ وُہ حقیقت جی رہا ہے۔
سپنے میں تو ایسا ہوتا ہے۔
جو دل چاہتا ہے، تو وہ ہو جاتا ہے۔
اِس لیے اُس وقت ایک معجزہ ہوا
اور اُس کے کندھے پر ایک کلہاڑا آ گیا۔
لکڑہارا خوش ہُوا
اور لکڑی کاٹنے کی بات سوچنے لگا۔
اُس نے کلہاڑا ہاتھ میں پکڑا
اور پیڑ پر چوٹ کرنے کے لیے کلہاڑا اوپر اُٹھایا
تبھی ہوا میں لہراتی ایک آواز نے اُسے ٹوکا
اِسے مت کاٹو۔ یہ نیم ہے۔
یہ تو اپنے آپ میں پورا حکیم ہے۔
اِسے دیکھ کر ہر بیماری کانپتی ہے
کیونکہ اس کی کڑواہٹ میں امرت کی دھار بہتی ہے۔
لکڑہارے نے اِدھر اُدھر دیکھا
حیران ہوا۔ وہاں تو کوئی نہ تھا۔
پھر بھی وہ نیم کو چھوڑ کر دُوسرے پیڑ کی طرف بڑھا
تبھی ایک آواز پھر ہوا میں لہرائی
اور اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

یہ پیپل ہے۔ آگے نہ بڑھو۔ ٹھہر جاؤ
اپنے راستے میں کانٹے نہ پھیلاؤ۔
اِسے بچا کر، زندگی کو بچاؤ۔
اس کی جڑ، چھال، پتے، بیج، کن کن دوا ہے
اِسی لیے لوگ کہتے ہیں کہ یہ پیڑ نہیں۔ دیوتا ہے۔

اِس طرح لکڑ ہارا، جدھر بھی قدم بڑھائے۔
تبھی ہوا میں لہراتی ہوئی آواز آئے
ہر پیڑ کے گُن گنوائے
اور اُسے کاٹنے سے ٹوکتی جائے۔
ہوتے ہوتے لکڑ ہارے کے سامنے ایک سُوکھا پیڑ پڑا۔
تو وہ زمین پر مٹی کے ساتھ مٹی ہوتا جا رہا تھا۔

اُس نے سوچا اِسے کاٹنے سے اُسے کوئی نہیں روکے گا
اور وُہ کلہاڑا ہاتھ میں لیے آگے بڑھا
لیکن پھر وہی آواز پھر سے آئی
اور لکڑ ہارے کو ایک نئی بات بتائی۔
پیڑ مر کر بھی پیڑوں کا بھلا کرتے ہیں
وُہ مٹی سے مٹی ہو کر اُن کے لیے کھاد بن جاتے ہیں
یہ سُوکھی سڑی لکڑی، دُوسروں کے لیے زندگی بن جائے گی۔
اور خود بھی پتے پتے میں ہری بھری ہو کر لہرائے گی۔

... جاری

ماخذ : داستاں گو آیا ہے، **مصنف** : رتن سنگھ
مصور : فجر الدین، **سنہ اشاعت** 2016
ناشر : قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

حیدر بخش حیدری

دسویں قسط

قصہ حاتم طائی

اب تک آپ نے پڑھا کہ

ملک یمن میں بادشاہ طے کا شریف اور سخی بیٹا حاتم تھا۔ وہ لوگوں کی بھلائی اور دوسروں کی مدد کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دیتا تھا۔ خراسان کے ایک سوداگر برزخ کی بیٹی حسن بانو کی خوب صورتی کے چہار سو چرچے تھے۔ برزخ نے مرنے سے پہلے اپنی بیٹی بادشاہ کو سونپ دی تھی۔ حسن بانو بڑی نیک دل تھی۔ اس نے اپنے سوداگر باپ کی دولت دونوں ہاتھوں سے تقسیم کرنی شروع کردی۔ یہ دیکھ کر اس کی دایہ نے اُسے روکا کہ ابھی تمہاری بہت لمبی عمر ہے ایسے دولت نہ ختم کرو۔ زندگی گزارنے کے لیے ایک شریک حیات کا انتخاب کرو۔ اچھے قابل اور بہادر انسان کی تلاش کے لیے سات سوال کرو۔ جو نوجوان سارے سوالات حل کرلے اُس سے شادی کرو اور چین و سکون کی زندگی گزارو۔ اسی بیچ ایک جعلی بزرگ نے حسن بانو کی ساری دولت لوٹ لی۔ حسن بانو اور اس کی بوڑھی دایہ ایک جنگل میں رہنے لگے۔ ایک رات حسن بانو کو خواب میں نظر آیا کہ جس درخت کے نیچے وہ سو رہی ہے وہاں سات بادشاہتوں کا خزانہ گڑا ہے۔ حسن بانو نے اٹھ کر دایہ کو اپنا خواب بتایا اور دونوں نے اس خزانے کو حاصل کیا اور جنگل میں عالی شان محل بنا کر رہنے لگیں۔ کچھ دنوں بعد حسن بانو نے ایک لڑکے کا بھیس بدلا اور خراسان کے بادشاہ سے ملاقات کی اور اپنی عقل مندی سے اُس جعلی پیر کی حقیقت سب کے سامنے لا دی۔ بادشاہ نے حسن بانو کی ساری دولت واپس کردی۔ شہر خوارزم کے شہزادے منیر شامی کو حسن بانو کے حسن کا علم ہوا۔ وہ حسن بانو کی محبت میں گرفتار ہو کر حسن بانو سے ملنے آ پہنچا اور اس سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ حسن بانو نے شرط رکھی کہ میرے ساتوں سوالوں کا جواب لا دو پھر میں تم سے شادی کروں گی۔ منیر شامی نے پہلا سوال دریافت کیا اور جواب ڈھونڈنے نکل پڑا لیکن وہ ناکام رہا۔ اس کی ملاقات حاتم سے ہوتی ہے۔ حاتم اسے دلاسا دیتا ہے اور حسن بانو کے پاس منیر شامی کو رکھ کر وہ پہلے سوال کا جواب لانے نکل پڑتا ہے۔ حاتم ایک جنگل میں پہنچا جہاں اُسے ایک ہرنی ملتی ہے۔ حاتم نے ایک بھیڑیے سے ہرنی کی جان بچائی اور آگے نکل گیا۔ کچھ مہینوں کے بعد حاتم نے دشت ہویدا کی راہ لی جہاں اسے پہلے سوال کا جواب ملنا تھا۔ بڑی مشکل سے حاتم دشت ہویدا پہنچا اور

اس شخص سے ملاقات کی جو جنگل میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ حاتم نے اس کی مشکل آسان کر دی اور پہلے سوال کا جواب تلاش کر لیا۔ حاتم واپس حسن بانو کے پاس آیا اور اُس سے دوسرا سوال پوچھا اور اس کا جواب لانے نکل پڑا۔

راستے میں اُسے ایک نوجوان ملا۔ حاتم نے اپنی بہادری سے اس کی مشکل حل کی اور اس کی شادی کرائی۔ اس کے بعد حاتم آگے بڑھا۔ راستے میں اس نے ایک بستی والوں کو ایک بلا سے نجات دلائی۔ ایک شہزادی کو جن سے آزاد کرایا اور اس شہزادی سے شادی کر لی۔ شادی کے بعد حاتم یوسف سوداگر کے کام کے لیے چین کی جانب چل پڑا اور یوسف سوداگر کی دولت زمین سے نکال کر خیرات کی۔ واپس وہ یوسف سے ملنے آیا جہاں اب اس کی سزا ختم ہو چکی تھی۔ اس کے بعد حاتم نے نیکی کر اور دریا میں ڈال کا بھید معلوم کیا اور واپس جا کر حسن بانو سے ملا اور تیسرے سوال ''کسی سے بدی نہ کر۔ اگر کرے گا تو وہی پائے گا۔'' کا جواب لانے نکل پڑا۔

حاتم کو کافی دیر چلنے کے بعد ایک بڑا پہاڑ دکھائی دیا جس پر ایک نوجوان پریشان حال کھڑا تھا۔ حاتم نے اس کا حال دریافت کیا اور اس کی پریشانی دور کی۔ بہت ساری مشکلات اور پریشانیوں کے بعد حاتم اپنی منزل پر پہنچتا ہے جہاں ایک نابینا بوڑھا آدمی موجود تھا جو چیخ چیخ کر کہتا تھا کہ کسی سے بدی نہ کر۔ اگر کرے گا تو وہی پائے گا۔ حاتم نے اس کی داستان سنی اور نور ریز گھاس کا عرق لا کر اُس کی آنکھوں میں ڈالا جس سے اُس کی آنکھوں کی روشنی واپس آ گئی۔ حاتم نے اسے خدا حافظ کہا اور واپس حسن بانو کے پاس پہنچا اور چوتھا سوال بتانے کی درخواست کی۔

حسن بانو نے حاتم سے کہا کہ چوتھے سوال ''سچے کو ہمیشہ رحاحت ہے'' کا جواب لے کر آ۔ حاتم شاہ آباد سے نکلا اور چلتے چلتے پریوں اور جادوگروں کے پاس پہنچا اور احمر جادوگر کی بیٹی سے شادی کر لی۔ شادی کے لیے حاتم کو کملاق اور احمر جادوگر سے جنگ کرنی پڑی۔ حاتم نے حضرت خضر کے سکھائے اسم اعظم کی مدد سے سب کو زیر کر لیا۔ اُس کے بعد چوتھے سوال کا بھید معلوم کیا اور واپس حسن بانو کی حویلی پہنچا اور پانچواں سوال پوچھا۔ حسن بانو نے کہا کہ اب تمھیں کوہِ ندا کی خبر لانی ہے۔ حاتم نکل پڑا۔ حاتم کئی بستیوں، علاقوں سے گزرتے ہوئے ایک جنگل میں پہنچا اور ایک موذی بلا سے جنگل کے جانوروں اور قریب میں رہنے والے لوگوں کو نجات دلائی۔ اس کے بعد حاتم نے کوہ ندا کا حال معلوم کیا اور حسن بانو کو جا کر بتایا اور چھٹے سوال کی فرمائش کی۔

حسن بانو نے کہا کہ اب تمھیں کوہِ ندا کی خبر لانی ہے۔ حاتم نکل پڑا۔ حاتم کئی بستیوں، علاقوں سے گزرتے ہوئے ایک جنگل میں پہنچا اور ایک موذی بلا سے جنگل کے جانوروں اور قریب میں رہنے والے لوگوں کو نجات دلائی۔ اس کے بعد حاتم نے کوہ ندا کا حال معلوم کیا اور حسن بانو کو جا کر بتایا اور چھٹے سوال کی فرمائش کی۔

حسن بانو نے کہا کہ اب تمھیں مرغابی کے انڈے کے برابر موتی لانا ہے۔ میرے پاس ایک موتی ہے اس کا جوڑا تلاش کر کے لاؤ۔ حاتم حسن بانو سے اجازت لے کر منیر شامی سے ملنے آیا اور پھر موتی کی تلاش میں نکل پڑا۔ ایک ست رنگی چڑیا نے حاتم کی مدد کی اور اسے ماہ یار سلیمانی تک پہنچنے کا راستہ بتایا جس کے پاس وہ موتی تھا۔ حاتم نے ایک لومڑی کے بچے کو قید سے چھڑایا پھر برزخ کے جزیرے کا رخ کیا۔ راستے میں حاتم نے شمس شاہ نام کے ایک پری زاد کی مدد کی۔ حاتم شہزادہ مہر آور سے ملا اور اس کی شادی ماہ یار سلیمان کی بیٹی سے کرائی اور ماہ یار سلیمانی سے موتی کی حقیقت بیان کی اور وہ موتی لے کر واپس حسن بانو کے پاس آیا اور اُس کو موتی سونپ کر اس سے ساتویں اور آخری سوال کی بابت دریافت کیا۔

ساتواں سوال

حمام بادگرد کی خبر لانا

بادشاہ اور رعایا سب نے حاتم کے گن گائے۔ بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ تین دن تک مہمان رہا۔ چوتھے دن حاتم وہاں سے رخصت ہوکر آگے بڑھا۔ چلتے چلتے ایک پہاڑ ملا۔ یہ اُس پر چڑھنے لگا۔ آخر ایک بڑا جنگل دکھائی دیا۔ حاتم برابر چلتا رہا۔ اُس سے نکلا تو ایک دوراہا نظر آیا۔ اِسے نصیحت یاد تھی۔ بائیں طرف کے راستے پر چلنے لگا۔ کچھ دور جاکر سوچا اِس راہ سے جانا بیکار ہے۔ بہتر ہے کہ داہنی طرف چلوں۔ اللہ مدد کرے گا تو کوئی بلا میرے پاس نہ آسکے گی۔

یہ بات جی میں ٹھہرا کر الٹا پھرا۔ پھر داہنی طرف کے راستے پر چل دیا۔ ذرا دور چلا تھا کہ کانٹوں بھرا جنگل ملا۔ سارے کپڑے تار تار ہوگئے۔ بدن لہولہان ہوگیا۔ بڑی مشکل سے اس جنگل سے نکلا۔ اب چھپکلیوں کا جنگل سامنے تھا۔ وہ سب اسے کھانے کو دوڑیں۔ ان کا ڈیل ڈول ایسا تھا کہ دیکھ کے ڈر لگتا تھا۔ حاتم خوف سے کانپنے لگا۔ اتنے میں ایک بوڑھا نورانی صورت کا وہاں آیا۔ کہنے لگا ”اے جوان! تو نے بزرگوں کا کہنا نہ مانا۔ آخر زک اٹھائی۔“ حاتم بولا ”میں نے برا کیا۔ اپنی خطا پر نادم ہوں۔“ بزرگ نے کہا ”مہرہ نکال کر زمین پر ڈال۔ یہ خود ہی غائب ہوجائیں گی۔“

حاتم نے مہرہ جیب سے نکال کر زمین پر پھینک دیا۔ زمین پہلے زرد ہوئی، پھر سیاہ اور پھر سبز۔ آخر سرخ ہوگئی۔ چھپکلیاں دیوانی ہوکر آپس میں لڑمریں۔ ذرا دیر میں سب ختم ہوگئیں۔ آگے چلا تو بچھو آدمی کی بو پاکر دوڑ پڑے۔ کتنے تو ان میں بلی کے برابر تھے اور کتنے لومڑی کے برابر۔ حاتم نے یہ دیکھا تو سہم کر کانپنے لگا۔ ایسا گھبرایا کہ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اِدھر اُدھر تکنے لگا۔ وہی بزرگ پھر آپہنچا۔ ہاتھ پکڑ کے کہنے لگا۔ ”گھبرا مت۔ ہمت سے کام لے۔ مہرہ پھر زمین پر ڈال اور قدرت کا تماشا دیکھ۔“

حاتم نے مہرہ زمین پر ڈالا تو وہ رنگ بدلنے لگی۔ جب لال ہوئی تو بچھو آپس میں لڑنے لگے۔ ایک نے کے ڈنک سے دوسرے کا بدن پھٹ گیا۔ تین دن یہ لڑائی چھتی رہی۔ پھر جنگل صاف ہوگیا۔ چوتھے دن خدا کا شکر ادا کیا اور مہرہ اٹھا کے آگے چلا۔

کئی دن کے بعد ایک بڑا سا شہر نظر آیا۔ حاتم اندر داخل ہوا۔ لوگ پوچھنے لگے ”اے جوان! تو کس راستے سے آیا۔ کیسے جیتا بچا۔ چھپکلیوں، بچھوؤں اور ببول کے کانٹوں سے تو کیسے بچ

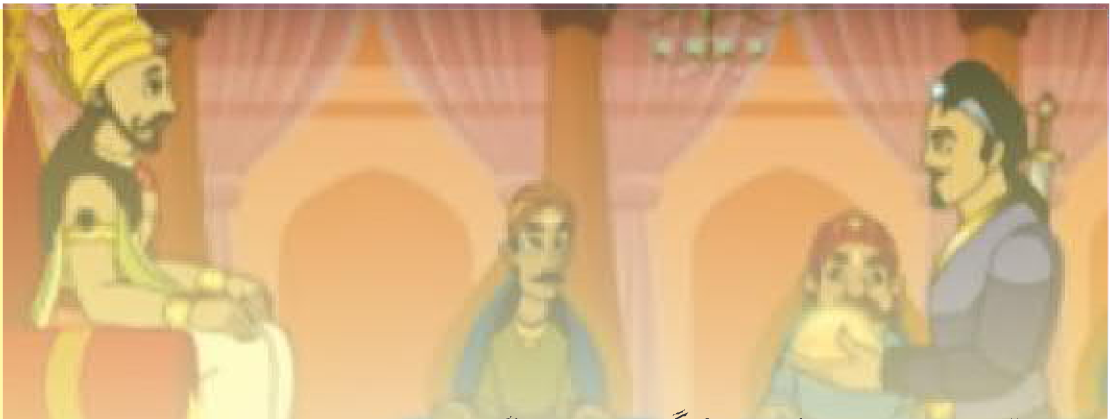

نکلا۔" حاتم نے جواب دیا "اِن آفتوں نے مجھے گھیرا ضرور تھا مگر اللہ کے کرم سے اب جنگل چھپکلیوں اور بچھوؤں سے صاف ہوگیا۔ اب راستے میں کسی طرح کا ڈر نہیں۔" یہ سن کر سوداگر بولے "اب ہم اس راستے سے آیا جایا کریں گے۔ باہر کے سوداگر بھی آیا کریں گے۔ شہر میں رونق رہا کرے گی۔"

حاتم کے کہنے سے بہت سے مسافر اسی راستے سے گئے۔ بادشاہ کو خبر ہوئی تو اُن کے پیچھے ہرکارے دوڑائے کہ دیکھیں اور صحیح بات آ کر بتائیں۔ اُدھر حاتم کو بلا کے اپنے پاس رکھا اور کہا "اے مسافر! تو نے سفر کی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ کوئی دن دم لے۔ پھر جہاں چاہے جائیو۔" لیکن مطلب یہ تھا کہ اگر تو سچا ہے تو ٹھیک ہے۔ نہیں تو سولی چڑھا دوں گا۔ کئی نگہبان لگا دیے کہ یہ مسافر کہیں جانے نہ پائے۔

جب مسافر اور سوداگر جنگل سے صحیح سلامت نکل گئے تو ہرکارے لوٹ آئے۔ بادشاہ سے عرض کی "جو کچھ اس مسافر نے کہا تھا سچ ہے۔ اب کوئی آفت راستے میں نہ رہی۔ بادشاہ نے چاروں طرف خبر بھجوادی کہ اب راستے میں کوئی ڈر نہ رہا۔ جس کا جی چاہے بے کھٹکے آئے اور حاتم سے معذرت کی اور کہا "اے جوان! مجھ سے خطا ہوئی۔ معاف کر۔"

حاتم نے کہا "سمجھ میں نہیں آتا آپ کس بات کی معافی مانگتے ہیں۔ میں تو جس دن سے آیا ہوں بڑے آرام سے رہ رہا ہوں۔" بادشاہ نے کہا "میں ظاہر میں سلوک کرتا تھا مگر اصل میں تو قیدی تھا۔ اگر تیری بات جھوٹ ہوتی تو شہر کے باہر سولی دلواتا کہ پھر کوئی ایسی خبر نہ اڑائے۔" حاتم نے کہا "یہ تو انصاف کی بات ہے کہ جھوٹے کی گردن ماردیں۔"

یہاں سے چل کر حاتم شہر قطان میں داخل ہوا اور ایک سرائے میں اُترا۔ پھر کچھ قیمتی موتی لے کر بادشاہ کے محل کو چلا۔ چوبداروں نے بادشاہ کو خبر کی کہ "ایک جوان شاہ آباد سے آیا ہے اور حاضر ہونا چاہتا ہے۔" بادشاہ نے کہا "لے آؤ۔"

چوبدار حاتم کو لے کر اندر گئے۔ حاتم جھک کر آداب بجا لایا۔ اُس نے قیمتی موتی بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے۔ بادشاہ کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ حاتم کو کرسی پر جگہ دی۔ حال پوچھا۔ غرض بادشاہ اُس پر بہت ہی مہربان ہوگیا۔ چھ مہینے اِس طرح گزرے کہ ایک دن نہ دیکھتا تو چین نہ پڑتا۔

حاتم نے بادشاہ کو ایک دن اور خوش وخرم دیکھا تو کئی قیمتی پتھر پھر پیش کیے۔ بادشاہ نے کہا "تو بار بار کیوں نذر پیش کرتا ہے اور کیوں مجھے شرمندہ کرتا ہے۔ تجھے یہاں آئے اتنے دن ہوگئے کبھی کسی چیز کی خواہش نہ کی۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اب تو کچھ مانگے اور میں تجھے وہ چیز بے عذر پیش کروں۔"

حاتم نے کہا ''بادشاہ کی عمر بڑھے۔ میرے دل کی ساری آرزوئیں پوری ہوچکیں ایک باقی ہے سو مرتے دم تک نہ نکلے گی۔'' بادشاہ نے کہا ''ایسی کیا چیز ہے؟ اگر تو کہے تو اپنی بیٹی بھی تجھ سے بیاہ دوں۔'' حاتم نے کہا ''حضور کی بیٹی کو میں اپنی بہن سمجھتا ہوں۔ یہ بات نہیں لیکن ایک اور تمنا ہے۔ یہ سوچ کر عرض نہیں کرتا کہ شاید قبول نہ ہوگی۔'' بادشاہ نے کہا ''خدا کے واسطے جلدی کہہ ڈال۔'' اُس نے کہا ''آپ پورا کرنے کا وعدہ فرمائیں تو عرض کروں۔''

بادشاہ نے وعدہ کیا اور قسم کھائی تو حاتم نے عرض کیا ''حمام بادگرد دیکھنے کی آرزو ہے۔ اجازت ہو تو اس کی سیر کروں۔'' یہ سن کر بادشاہ نے سر جھکا لیا۔ حاتم نے پوچھا ''کیا بات ہے۔ آپ چپ کیوں ہوگئے؟''

بادشاہ نے سر اٹھایا۔ بولا ''اے عزیز! بھلا میں چپ کیسے نہ ہوں۔ پہلے تو میں نے قسم کھائی ہے کہ کسی کو حمام بادگرد کی طرف نہ جانے دوں گا۔ تجھے وہاں جانے دوں تو میری قسم ٹوٹتی ہے۔ دوسرے یہ کہ تجھ سا جوان جان سے جائے گا۔ تیسرے یہ کہ تجھ سے چھوٹنے کا مجھے دکھ ہوگا لیکن یہ بھی ہے کہ تجھے اجازت نہ دوں تو اپنی بات سے پھرتا ہوں۔''

حاتم نے کہا ''بس اب اجازت دیجیے۔ اللہ نے چاہا تو جلد خیریت سے لوٹوں گا۔ بات یہ ہے کہ منیر شامی برزخ سوداگر کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ وہ سات سوالات پوچھتی تھی۔ چھ سوالوں کے جواب میں دے چکا ہوں۔ اب ایک رہ گیا ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ میں حمام بادگرد کی خبر بھی لاسکوں اور حسن بانو کا بیاہ اس شہزادے سے ہوجائے۔''

یہ بات سن کر بادشاہ نے کہا ''اے جوان! تیری ہمت پر شاباش کہ تو نے غیروں کے لیے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا۔ خدا تیری مدد کرے۔ مگر یہ سن لے کہ اُدھر گیا ہوا آج تک لوٹ کر نہیں آیا۔ اب یہ بھی بتادے کہ تیرا نام کیا ہے اور کہاں کا رہنے والا ہے؟''

اُس نے جواب دیا ''میرا نام حاتم ہے۔ یمن کا رہنے والا ہوں۔'' یہ سنتے ہی بادشاہ اٹھا اور حاتم کو گلے لگایا۔ پھر اُسے اپنے پاس بٹھا کر بولا ''بادشاہت تیرے چہرے سے ٹپکتی ہے۔ دنیا ہمیشہ یاد رکھے گی کہ تو کس طرح دوسروں کے کام آتا تھا۔ آنے والے زمانے میں جب کوئی دوسروں کا دکھ درد بٹایا کرے گا تو لوگ اسے حاتم ثانی کہا کریں گے۔''

اِس کے بعد بادشاہ نے اپنے وزیر کو بلا کر حکم دیا کہ ''ابھی حمام بادگرد کے دربان کو ایک خط لکھو اور حاتم کے حوالے کردو۔'' اُس نے فوراً خط لکھ کر دے دیا۔ کئی آدمی حاتم کے ساتھ کیے۔ تھوڑی دور خود بھی ساتھ آیا۔ پھر گلے مل کر رخصت ہوگیا مگر آنکھ کے آنسو نہ تھمتے تھے۔

حاتم اُن لوگوں کے ساتھ حمام بادگرد کی طرف روانہ ہوا۔ پندرہ دن چلنے کے بعد حمام نظر آنے لگا۔ حاتم نے پوچھا ''یہ قلعہ ہے یا پہاڑ؟'' انھوں نے عرض کیا ''یہی حمام بادگرد کا دروازہ ہے۔''

یہ قافلہ چلتا رہا۔ ساتویں دن دروازے تک پہنچے۔ حاتم نے وہ خط دربان کو دے دیا۔ اُس نے پڑھا اور ادب سے کھڑا ہوگیا۔ بڑی عزت سے کرسی پر بٹھایا۔ تھوڑی دیر بعد حمام کے دروازے پر لے گیا۔

حاتم نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو دروازے پر لکھا تھا ''یہ طلسمات کیومرث بادشاہ کے وقت میں بنا ہے۔ اس کا نشان مدتوں رہے گا۔ جو کوئی اس طلسمات میں جائے گا جیتا نہ بچے گا۔ اگر بچ گیا تو ایک باغ میں جا نکلے گا۔ وہاں طرح طرح کے پھل کھائے گا اور وہیں زندگی کے دن پورے کرے گا۔''

(جاری)

■

ماخذ: حاتم طائی کا قصہ، مرتب: نورالحسن نقوی

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

توقیر احمد فلاحی

کہکشاں

صحت مند زندگی کے رہنما اصول

ماہرین کا کہنا ہے کی عام طور پر انسان کو نوکری میں ترقی ملنے، شادی ہونے، اولاد کی پیدائش جیسے مواقع سے انتہائی خوشی ملتی ہے تاہم یہ خوشی وقتی ہوتی ہے۔ یہ مواقع دیر تک زیادہ گہری خوشی فراہم نہیں کرتے اور نہ ہی یہ حقیقی خوشی کا بدل ہوتے ہیں لیکن مندرجہ ذیل سات طریقے ایسے ہیں جن کو اختیار کر کے آپ اپنے زندگی کو حقیقی خوشی کا لباس پہنا سکتے ہیں اور اپنی زندگی میں خوشی کا سنہرا دیا جلا سکتے ہیں:

1۔ اپنے رویے کو تبدیل کریں: خود کو مثبت سوچ کا حامل بنائیں اور کسی بھی واقعہ کے مثبت پہلو پر نظر رکھیں جبکہ تحقیق کے مطابق ایسے لوگ جو مثبت سوچ رکھتے ہیں اور خوش نظر آتے ہیں تحقیق کے مطابق ایسے لوگوں کی زندگی میں دل کے دورے اور اسٹروک کا خطرہ 50% کم ہو جاتا ہے اور جو لوگ منفی سوچ رکھتے ہیں ان کی زندگی مسائل و پریشانیوں سے گھری ہوئی ہوتی ہے

2۔ جو لوگ خوش ہیں ان سے خوش رہنا سیکھیں: دنیا میں سب سے زیادہ خوش رہنے والے ڈنمارک کے لوگ ہیں اور 1973 سے اب تک خوش رہنے والے لوگوں میں ڈینش سب سے آگے ہیں۔ تحقیق کے مطابق اس کی سب سے بڑی وجہ محفوظ زندگی اور کرپشن کا کم ہونا ہے اور دوسری وجہ تنخواہ کا اچھا ملنا ہے تاہم ایک مضبوط سماجی نظام کا قائم ہونا ہے اور وہاں کے لوگ اپنی خوشی کو آپس میں ایک دوسرے سے بانٹتے ہیں۔ یہی چیز ان کے خوش ہونے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔

3۔ کام کا بوجھ کم کریں: تحقیق کے مطابق ڈینش کے لوگ کام اور آرام میں بہتر تال میل رکھتے ہیں اور کام کی زیادتی کو پسند نہیں کرتے۔ ڈنمارک کے لوگ اوسطا ہفتہ میں 33 گھنٹے کام کرتے ہیں اور 2 فیصد لوگ ہفتہ میں 40 گھنٹے کام کرتے ہیں یہ بھی ان کے خوش رہنے کی ایک بڑی وجہ ہے۔

4۔ تجربات پر توجہ رکھیں: تجربات انسان کے زندگی کا بھی بڑا حصہ ہے۔ جو تجربات پر توجہ نہیں دیتے ہیں ان کی زندگی فالتو چیزوں کے درمیان گھر جاتی ہے اور تجربات پر توجہ دینے سے انسان کو اطمینان حاصل ہوتا ہے کیونکہ تجربات انسانوں کو ایک دوسرے سے قریب کر دیتے ہیں۔

5۔ اچھے دوست بنائیے: تحقیق کے مطابق اچھے دوست کا نہ ہونا زندگی میں کمی کا باعث ہوتا ہے جبکہ تنہائی اور ڈپریشن میں اضافہ صحت کے مسائل بڑھانے کی وجہ بنتا ہے۔ ایک اچھا ایماندار دوست آپ کی خوشیوں اور صحت کو بڑھانے میں مددگار رہتا ہے۔

6۔ خدمت کا جذبہ رکھیں: وہ لوگ جو اپنے دل میں دوسروں کے لیے خدمت کا جذبہ نہیں رکھتے ان کی زندگی بے رونق ہوتی ہے۔ دل نفرت میں گھرا رہتا ہے اور جو لوگ ایک دوسرے کے غم میں شریک ہوتے ہیں، ایک دوسرے کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ ان کے دل بالکل صاف ہوتے ہیں۔

7۔ اپنے چہرے پر مسکراہٹ کی کرن ہمیشہ جلائیں رکھیں: مسکراہٹ انسان کے زندگی کا بہت اہم حصہ ہے جس کے بغیر انسان زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ بنا رہتا ہے اور جس کی زندگی میں مسکراہٹ ہوتی ہے اس سے کائنات کی تمام چیزیں خوش رہتی ہیں اور میڈیکل سائنس نے یہ ثابت کیا ہے کہ مسکرانے سے انسان بہت ساری بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اس کا دماغی توازن برقرار رہتا ہے اور دل کا دورہ بھی کم پڑتا ہے۔

■

Tauqeer Ahmad Falahi
Shahpur Bhagoni, Samastipur (Bihar)

آؤ اردو سیکھیں

(اردو سکھانے کے بہت سے طریقے رائج ہیں۔ ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں اردو سکھانے کا یہ سبق تجرباتی طور پر شروع کیا گیا ہے۔ اگر یہ تجربہ کامیاب رہا تو غیر اردو داں بچوں کو اردو سکھانے کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اس سلسلے میں آپ کے ذہن میں کوئی آسان اور مفید طریقہ ہو تو ہمیں ضرور آگاہ کریں۔)

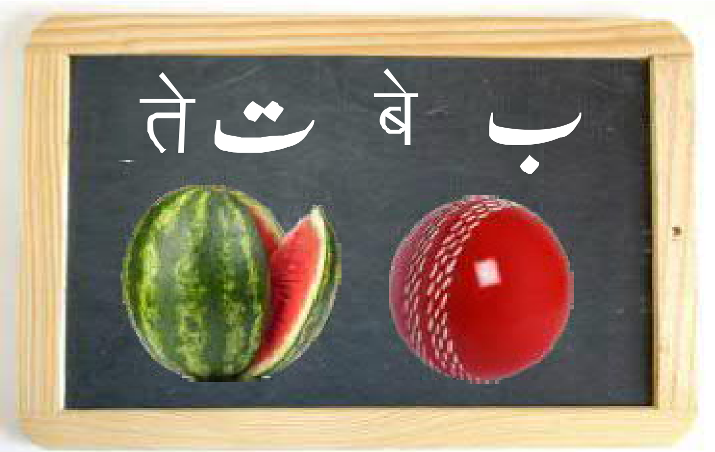

دیکھو، اسے ب (बे) کہتے ہیں۔ اگر اسے ہندی میں سمجھنا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ ब کی آواز دیتا ہے اور انگریزی میں B کی۔

ب : बे

دیکھو، اسے ت (ते) کہتے ہیں۔ اگر اسے ہندی میں سمجھنا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ त کی آواز دیتا ہے اور انگریزی میں T کی۔

ت : ते

آج کا سبق یہی ہے یعنی

اسے تصویر کی مدد سے یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے:

ب سے بال बॉल Ball

ت سے تربوز तरबुज Tarbooz

ب देखो इसे बे़ कहते हैं। अगर इसे हिन्दी में समझना है तो कह सकते हैं कि ये 'ब' की आवाज़ देता है।

ب : बे

ت देखो इसे बे़ कहते हैं। अगर इसे हिन्दी में समझना है तो कह सकते हैं कि ये 'त' की आवाज़ देता ह

ت : ते

आज का सबक़ यही है यानी

इसे तस्वीर की मदद से यूँ समझा जा सकता है:

ब से बॉल Ball

ते से तरबुज Tarbooz

ہماری زبان

دوستو! ہم سب اِس بات سے واقف ہیں کہ اردو بے حد شیریں زبان ہے اور ساری دنیا میں مقبول ہے۔ اردو جاننے اور بولنے والے کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لیکن درست اردو اور صحیح اردو جاننا بھی ہمارے لیے ضروری ہے۔ اِس کالم کے تحت ہم روزمرہ میں اردو کے استعمال سے متعلق کچھ کارآمد چیزیں پیش کریں گے جسے یقیناً آپ سب پسند کریں گے۔ (ادارہ)

متضاد الفاظ

الفاظ	معنی	متضاد الفاظ	معنی
امانت	ایمان داری	دیانت	بے ایمانی
باطن	پوشیدہ	ظاہر	کھلا ہوا
نور	روشنی	ظلمت	اندھیرا
بہار	پھولوں کا موسم	خزاں	پت جھڑ کا موسم
زن	عورت	مرد	مرد
بیش	زیادہ	کم	تھوڑا
راست	سیدھا	چپ	الٹا
پست	نیچا	بلند	اونچا
شب	رات	روز	دن
بقا	زندگی	فنا	مٹ جانا
داخل	اندر آنا	خارج	نکلنا
ترقی	بڑھنا	تنزلی	گھٹنا
نفع	فائدہ	نقصان	خسارہ
تلخ	کڑوا	شیریں	میٹھا

الفاظ کی جمع واحد

واحد	جمع	واحد	الفاظ
تاجر	تجار	حکیم	حکماء
ذکر	اذکار	شکل	اشکال
تالیف	تالیفات	عدد	معدود
ذریعہ	ذرائع	شہید	شہداء
تصنیف	تصنیفات	حیوان	حیوانات
دین	ادیان	شاعر	شعراء
خاتون	خواتین	رقم	رقوم
دلیل	دلائل	سلف	اسلاف
خادم	خدام	زوج	ازواج
دفتر	دفاتر	سنت	سنن
خدمت	خدمات	ساحل	سواحل
درجہ	درجات	سلطان	سلاطین
خط	خطوط	سبق	اسباق
خلیفہ	خلفاء	سبب	اسباب

■ محمد طاہر صدیقی

پہیلیاں: بوجھو تو جانیں

(1)

بڑی مسکین ہے لیکن غضب کی وہ شکارن ہے
بزرگوں سے سنا ہے شیر بھی ہے رشتے دار اس کا
اسے جنگل میں جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی
گھروں میں رات دن موجود رہتا ہے شکار اس کا

(2)

وہ دو ساتھی ہیں جن کی شکل بالکل ایک جیسی
سنو تم غور سے دلچسپ حال ان کا ادھر آؤ
انھیں ہے شوق پھرنے کا ہمیں جانا ہو جب باہر
ہمارے پاؤں پڑتے ہیں کہ ہم کو ساتھ لے جاؤ

(3)

وہ کہنے کو تو چلتا ہے مگر ملتا نہیں ہرگز
بنایا ہے کسی نے خوشنما صندوق جادو کا
جو راضی ہو تو بلبل کی طرح نغمے سناتا ہے
بگڑ جائے تو پھر رونا سنو تم اس سے الو کا

(4)

نہیں آپس میں یکساں اس کی دو ٹانگیں مگر پھر بھی
خوشی سے ہر گھڑی چلتے ہی رہنا کام ہے اس کا
وہ طے کرتی ہے بارہ منزلوں کو وقت پر اپنے
پہیلی خود بتا دے گی تمھیں کیا نام ہے اس کا

■

Mohd Tahir Siddiqui
N/139-B, Abul Fazal Enclave
Jamia Nagar, New Delhi - 110025

جوابات اگلے شمارے میں تلاش کریں۔

■ قمرالدین معین الدین شیخ

علم

ایک استاد کسی بچے کو پڑھانے کے لیے ایک گاؤں میں جاتے ہیں۔ ایک دن اس گاؤں کے ایک اور شخص نے ان سے کہا ”آپ میرے بچے کو بھی پڑھا دیا کریں۔“

انھوں نے کہا: ”میں بہت دور سے آتا ہوں۔ پہلے ہی واپس پہنچنے میں دیر ہو جاتی ہے۔“ اس پر اس شخص نے کہا ”میں آپ کو ایک گھوڑا دے دیتا ہوں آپ اس پر آیا جایا کریں۔“

استاد نے یہ بات منظور کر لی۔ اب وہ ہر روز گھوڑے پر آنے جانے لگے۔ ایک دن اسی گاؤں کے ایک اور شخص نے ان سے یہی بات کہی۔ اس پر انھوں نے کہا ”میں پہلے ہی دو بچوں کو پڑھا رہا ہوں، دور سے آتا ہوں۔ اس لیے معافی چاہتا ہوں۔“

اس آدمی نے جواب میں کہا ”میرا بیٹا گاؤں کے سرے پر آپ کے راستے میں کھڑا ہو جایا کرے گا۔ جب آپ وہاں پہنچیں گے تو وہ آپ کے ساتھ ساتھ چلا کرے گا، آپ راستے میں اسے سبق دے دیا کریں اسی طرح جب آپ واپس جائیں تو وہ آپ کے ساتھ ساتھ چلا کرے گا اور اپنا سبق سنا دیا کرے گا۔“

اُستاد نے یہ بات منظور کر لی۔ وہ بچہ اسی طرح گھوڑے کے ساتھ ساتھ چل کر علم سیکھتا رہا۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ شاگرد کون تھے؟

وہ تھے حضرت امام غزالیؒ جو آج بھی آسمان علم پر جگمگا رہے ہیں۔ امام غزالی فرماتے ہیں ”جب تک تم اپنا سب کچھ علم کو نہیں دے ڈالو گے، علم تمھیں اپنا کوئی حصہ نہیں دے گا۔“

(بحوالہ سالانہ میگزین 'پروام')

■

Qamruddin Moinuddin Shaikh
Building No.: 18, Ghar No.: 11-12
Masjidain Hazrat Ali ke Paas
New Khwaja Nagar, Hudco
Piprala, Jalgaon - 425001 (Maharashtra)

میناز بی شیخ عابد

معلومات

- ہم ہر ایک چھ سیکنڈ میں آنکھیں جھپکاتے ہیں یعنی پوری زندگی میں ہماری آنکھیں 25 کروڑ بار جھپکتی ہیں۔
- انگلیوں کے نشانات کی طرح زبان کے نشانات بھی مختلف ہوتے ہیں۔
- کاکروچ کا سر کٹ جانے کے باوجود بھی کئی ہفتے تک زندہ رہ سکتا ہے۔
- انسانی آنکھ 17000 رنگوں کو الگ الگ پہچان سکتی ہے۔
- ایک عام آدمی زندگی بھر میں تقریباً 16000 گیلن پانی پی لیتا ہے۔
- ہاتھی اور ڈالفن دو ایسے جانور ہیں جو 24 گھنٹے میں صرف 2 گھنٹے سوتے ہیں۔
- صرف ایک قطرہ پانی میں 5 کروڑ بیکٹیریا سما سکتے ہیں۔
- انسان 24 گھنٹے میں 21000 بار سانس لیتا ہے۔
- بالوں کو سنوارنے کی ابتدا افریقہ سے شروع ہوئی۔
- دنیا میں سب سے پرانا شہر دمشق ہے۔
- دنیا میں سب سے زیادہ کیلا ہندوستان میں پیدا ہوتا ہے۔
- سائیکل برطانیہ کے کرس پیرس نے ایجاد کی۔
- خدا نے سب سے پہلے جانوروں میں مچھلی کو پیدا کیا۔

خدا نے سب سے پہلے شیر کو بیماری دی۔

■

Meenaz Be Shaikh Abid
Al-Hasnat Urdu High School
Rasulpur-443402 (Maharashtra)

سمیہ خانم نور خان

کتاب سے دوستی

ایک اچھی کتاب کا مطالعہ نہ صرف وقت کا بہترین مصرف ہے بلکہ یہ ہمیں زندگی گزارنے کا طریقہ بھی سکھاتا ہے۔ نشست و برخواست کے طریقے، محفل میں بات چیت کے آداب، لہجے میں رکھ رکھاؤ پیدا کرتا ہے۔ یہ سب سلیقے مطالعے سے حاصل ہوتے ہیں اور مزے کی بات کوئی ٹیوشن فیس بھی نہیں۔ مطالعہ کرنے کی عادت سے نہ صرف ہمارے بڑے بزرگ ہم سے خوش ہوں گے بلکہ ہمارے چھوٹے بہن، بھائی اور ان کے ساتھی بھی ہم سے اچھی باتیں سیکھیں گے۔ ہماری بات کو توجہ سے سنیں گے۔ اسے قابل عمل جانیں گے۔ کسی اچھی اور معیاری کتاب کا انتخاب اور اس کا مطالعہ ہمیں قطعاً اس بات کا احساس نہیں دلائے گا کہ ہم نے اپنا قیمتی وقت ضائع کیا۔ مطالعہ کرنا بھی ایک فن ہے اور مطالعہ کرنے کی ایک اچھی عادت ہمیں دوسرے بہت سے برے کاموں سے بچائے رکھتی ہے اور زندگی میں ٹھہراؤ پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے تو بس آج ہی کتابوں سے دوستی کیجیے۔ ان کی دوستی آپ کو تاحیات کام آئے گی۔

■

Sumayya Khanum Noor Khan
R.H.No.: B.No.:03, Laboor Colony,
ITI Road, Nanded - 431602 (Maharashtra)

■ انصاری شرجیل احمد مختار احمد

بوجھو تو جانیں

(1) ٹیڑھی ٹیڑھی گلیوں میں میٹھا میٹھا رس۔

(2) گرمیوں میں کام آئے سب کو وہ پسند آئے۔

(3) ہم نے دیکھی رات کی رانی جس کی آنکھ سے ٹپکا پانی۔

(4) روشن روشن اس کی دُم، رات کو حاضر دن کو گم۔

(5) دور پہاڑوں پر سے آئے، گھر میں آ کر گھل مل جائے۔

(6) جب وہ بولے ایک اکیلا، سارا شہر سن لے واویلا۔

(7) نیلی چادر میں چاول باندھے، دن کو غائب رات کو ملے۔

■ جوابات اسی صفحے میں تلاش کریں

■

Ansari Sharjeel Husain Mukhtar Ahmad
Molvi Ganj, Madni Chowk (Maharashtra)

■ انصاری بشریٰ فلک مختار احمد

سائنسی معلومات

- انسانی آنکھ کا وزن 7 گرام ہوتا ہے۔
- عام حالت میں انسان ایک منٹ میں 18 بار سانس لیتا ہے۔
- مرہم پٹی کا طریقہ سب سے پہلے ابن زکریا نے ایجاد کیا۔
- عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ نبض کی رفتار تیز نہیں کم ہوتی ہے۔
- انسانی جسم میں خون کی رفتار 75 میل فی گھنٹہ ہے۔
- پانی کے اندر انسان کی سننے کی طاقت بڑھ جاتی ہے اور نظر کم آتا ہے۔
- مردوں کے مقابلے خواتین کی آواز کی فریکوئنسی زیادہ ہوتی ہے۔

■

Ansari Bushra Falak Mukhtar Ahmad
Molvi Ganj, Madani Chowk,
Dhulia - 524001 (Maharashtra)

■ رونق بی ملک ستار

اقوالِ زرّیں

- آدمی کو اس کی نیت کے مطابق اس کے عمل کا پھل ملتا ہے۔
- ہر دن کا استقبال اس طرح کرو جیسے تم ایک مہمان کا کرتے ہو کیونکہ ہر دن صرف ایک بار آتا ہے۔
- دوست کے انتخاب میں احتیاط کرو۔
- علم سے محبت کرنا دانش سے محبت کرنا ہے۔
- جو زیادہ پوچھتا ہے وہ زیادہ سیکھتا ہے۔
- پرانا دوست سب سے بہتر آئینہ ہے۔
- بے شک دیر تک سوچو لیکن سوچنے کے بعد جو فیصلہ کرو وہ اٹل ہو۔
- اس شخص کو کبھی موت نہیں آتی جو علم کو زندگی بخشتا ہے۔
- اگر تم چاہتے ہو کہ زمانہ تمھاری تعریف کرے تو کبھی اپنی تعریف اپنے منہ سے نہ کرو۔
- تنہائیوں میں گناہ کرنے سے ڈرو کیونکہ جو گواہ ہے وہی حاکم ہے۔
- بہترین عمل وہ ہے جس پر تم اپنے نفس کو مجبور کرو۔
- اگر کسی کا خیال تمھارے بارے میں اچھا ہو تو اسے اچھا کر دکھاؤ۔
- جب بھی دو دوستوں میں اختلاف ہو تو ان میں سے ایک گمراہ ضرور ہوگا۔
- دنیا ایک راستہ ہے ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔

■

Ronaq Bee Malik Sattar
Class: VIII, Al-Hasnat Urdu High School
Rasulpur-443402 (Maharashtra)

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کرسکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کرلیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

جوابات اگلے شمارے میں تلاش کریں

ہنسی کے غبارے

ڈاکٹر: اب کیسی طبیعت ہے؟

مریض: ٹھیک ہے لیکن ابھی تک پسینہ نہیں آیا۔

ڈاکٹر: فکر نہ کریں۔ میں ابھی بل پیش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر: مریض سے تمھارا ایکسی ڈینٹ ہوگیا تھا۔

اب تم اچھے ہوچکے ہو گھر جاسکتے ہو۔

مریض: نہیں ڈاکٹر صاحب میں جانا نہیں چاہتا ہوں مجھے ڈر لگتا ہے۔

ڈاکٹر: کیوں بھائی ڈر کس بات کا؟

مریض: جس ٹرک سے میرا ایکسی ڈینٹ ہوا تھا اس ٹرک پر لکھا تھا پھر ملیں گے۔

تبسم فاطمہ سید عقیل، درجہ: ہشتم، الحسنات اردو ہائی اسکول، رسلپور، مہاراشٹر

ایک پہلوان سے کسی کمزور آدمی نے پوچھا: کہو پہلوان صاحب کیا حال ہے؟

پہلوان نے جواب دیا: مجھ سے کشتی لڑ کر دیکھ لو حال تمھیں خود معلوم ہوجائے گا۔

مسکان مرزا مشتاق بیگ، الحسنات اردو ہائی اسکول، مہاراشٹر

ماں: (اپنی بیٹی کو سمجھاتے ہوئے) دیکھو جو وقت گزر جاتا ہے وہ پھر واپس نہیں آتا۔

بیٹی: میرے اسکول جانے کا وقت تو روز صبح گیارہ بجے آتا ہے۔

وکیل: کیا تمھیں لکھنا پڑھنا آتا ہے؟

گواہ: لکھنا تو آتا ہے پڑھنا نہیں۔

وکیل: (قلم دیتے ہوئے) اپنا نام لکھو۔

گواہ نے کاغذ پر کچھ لکیریں ماردیں۔

وکیل: یہ کیا لکھا ہے۔

گواہ: میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا۔

صوفیہ تبسم شیخ رمضان منیار، الحسنات اردو ہائی اسکول، جلنگاؤں، مہاراشٹر

استاد شاگرد سے: جس آدمی کو سنائی نہ دے اس کو انگلش میں کیا کہیں گے؟

شاگرد: جو مرضی کہہ دو اس کو کون سا سنائی دے گا...

ساحل عقیل کھاٹک، درجہ: نہم، مدر عائشہ اردو ہائی اسکول، مالیگاؤں، مہاراشٹر

مالک "اوئے نوکر مجھے پانچ بجے اٹھا دینا۔"

نوکر "جناب پانچ تو بج گئے ہیں۔"

مالک: "تو پھر منہ کیا دیکھتا ہے مجھے اٹھا دے۔"

ننھے فنکار

الماس شیخ سعید، درجہ: ششم، ضلع پریشد اردو اسکول، بھاش نگر، شیر پور

ناظمین شیخ حامد، درجہ: ششم، سبھاش نگر، اردو اسکول

عائشہ صدف نصر السلام، درجہ: ہشتم، پربھنی

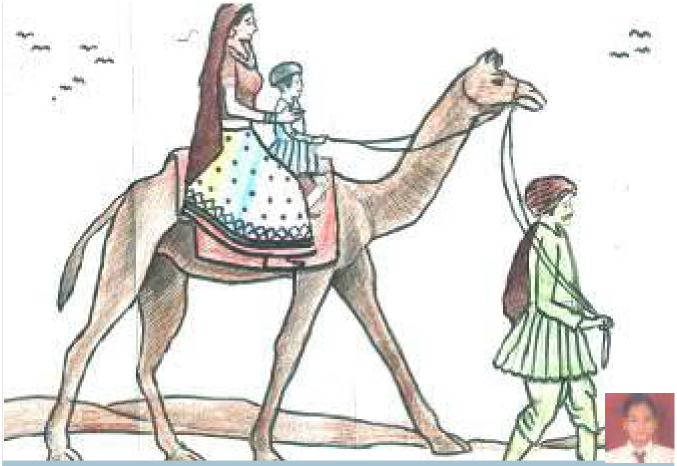

شیخ اظہر، درجہ: ہفتم (ب)، یوگے راج ودیا پیٹھ، ہائی اسکول

رفعت سعید، درجہ: ہفتم، اے ایم یو گرلس اسکول، علی گڑھ، یوپی

محمد سلمان عبدالسمیع

Facebook اردو فیس بک

میں نورعین ابوذر، کریسنٹ پبلک اسکول، کشن گنج میں انگریزی میڈیم سے درجہ ہشتم کی طالبہ ہوں۔ ہماری مادری زبان میں بہت ہی دلچسپ اور معلوماتی ماہنامے کی اشاعت کا شکریہ! ستمبر 16 کے شمارے میں یوں تو سبھی مضامین بے حد اہم اور معلوماتی ہیں، خاص طور پہ ایک دن کا ٹیچر، بہروپیے جانور، حبلہ اور عظیم باکسر محمد علی کِلے کی بات ہی کچھ اور ہے۔ انکل، میں آپ سے دو سوال کرنا چاہوں گی: اول تو یہ کہ ہر سال یوم اساتذہ یعنی 5 ستمبر کے موقعے پر ہمیں کچھ خاص پروگرام اور سرگرمیاں دکھا کر بات یہیں ختم کر دینی چاہیے یا استاد و شاگرد، تعلیم و تعلم کے تعلق سے ہمیں فرض شناس اور ذمہ دار بھی ہونا چاہیے؟

دوسری بات: آخر کیا وجہ ہے کہ کثیر اردو آبادی والے اس خطے میں نہایت ہی مقبول عام ماہنامے کے صفحات 'ننھے فنکار' یا 'اردو Facebook' میں اس دیار کے بچوں کو خاطر خواہ جگہ نہیں دی جاتی ہے؟

* آپ کا پہلا سوال کافی تفصیل طلب ہے۔ مختصراً یہ کہ استاد اور شاگرد دونوں کو اپنی ذمہ داریوں کے تئیں ایماندار ہونا چاہیے۔ استاد کو درس و تدریس اور شاگرد کو فرماں داری، تعلیم میں سنجیدگی اور تہذیب و اخلاق کا پاس و لحاظ رکھنا چاہیے۔

* آپ کے خطے کے ننھے فنکار اپنی نگارشات بھیجیں تو اسے رسالے میں ضرور شامل کیا جائے گا۔ دیکھیں آپ کا خط شامل ہو گیا ہے۔ (ادارہ)

نورعین ابوذر، اقبال کالونی، پچھم پالی، کشن گنج بہار

انکل میرا نام عفیفہ ہے اور میری عمر 2 سال ہے۔ میں ابھی پڑھنا لکھنا نہیں جانتی۔ ہاں صرف تصویریں پہچان سکتی ہوں۔ میرے ابا ہر ماہ میرے لیے 'بچوں کی دنیا' منگواتے ہیں۔ آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟ اور کامکس جیسی تصویریں کالم میں بہت شوق سے دیکھتی ہوں۔ جب میری امی آپ کے رسالے 'بچوں کی دنیا' میں چھپی باتصویر نظمیں مجھے سناتی ہیں تو میں بھی تتلاتے ہوئے انھیں دہراتی ہوں۔ اپنے ابا سے کہہ کر میں آپ کے ادارے سے باتصویر کہانیوں اور نظموں کی کتابیں منگواؤں گی۔

عفیفہ فرقان احمد غوری خان، (متوطن: ہویری) حال مقیم: کستور، بیدگام ضلع کرناٹک

انکل جی! میرا نام سائقہ نصیر ہے۔ میں پانچ سال کی ہوں اور شاہین باغ جامعہ نگر، الہند انٹرنیشنل اسکول کے پہلی جماعت میں پڑھتی ہوں۔ مجھے یہ رسالہ بہت پیارا لگتا ہے۔ اس کی رنگین تصاویر اور نظمیں مجھے بہت پسند ہیں۔

سائقہ نصیر، F-145، شاہین باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی

میرا نام عظمیٰ آفرین ہے۔ میرے والد کا نام شیخ جمیل ہے۔ میں 'بچوں کی دنیا' بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ اس کی کہانیاں اچھی لگتی ہیں۔

میرا نام شفا خان ہے۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت اچھا لگتا ہے۔ ہمارے گھر میں سبھی اسے پڑھتے ہیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

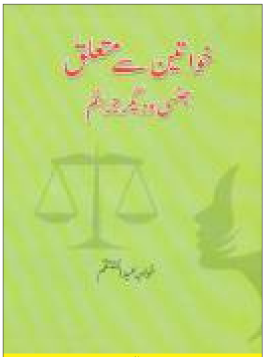

صفحات:101، قیمت: 67 روپے

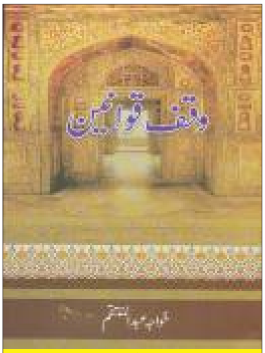

صفحات:213، قیمت:110 روپے

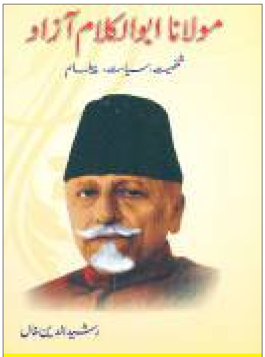

صفحات: 336، قیمت: 150 روپے

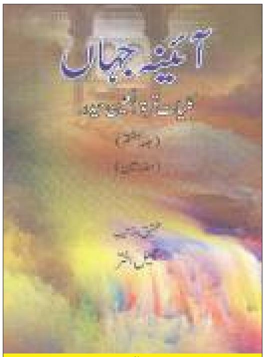

صفحات:311، قیمت:145 روپے

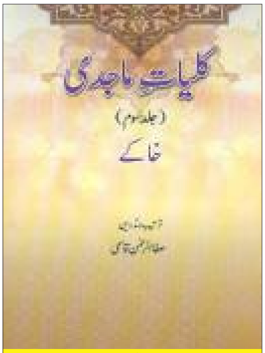

صفحات:253، قیمت:130 روپے

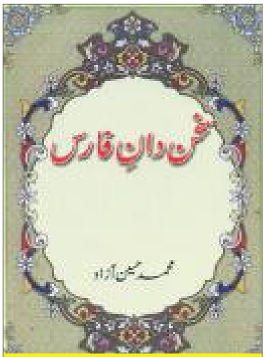

صفحات:354، قیمت: 160 روپے

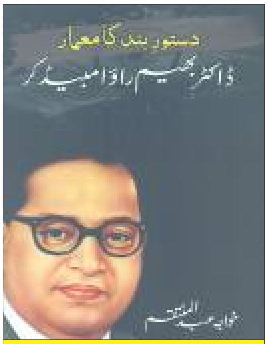

صفحات: 155، قیمت: 70 روپے

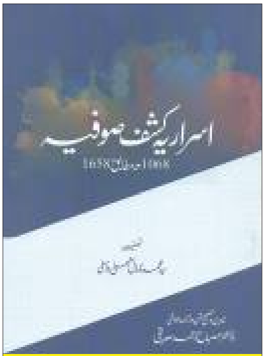

صفحات:803، قیمت: 335 روپے

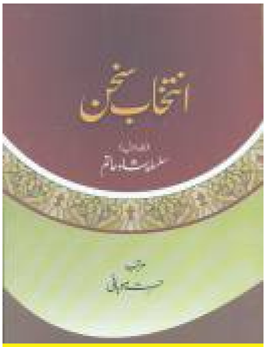

صفحات:388، قیمت: 175روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون:011-26109746، فیکس:011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, March 2017, Vol. 05, Issue: 3
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439-2016-18
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/02/17
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

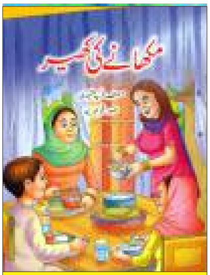
صفحات: 16، قیمت: 25 روپے

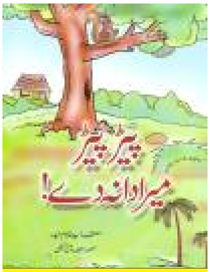

صفحات: 16، قیمت: 25 روپے

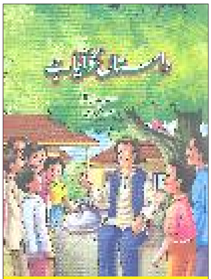
صفحات: 16، قیمت: 25 روپے

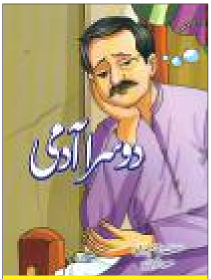

صفحات:16، قیمت:25 روپے

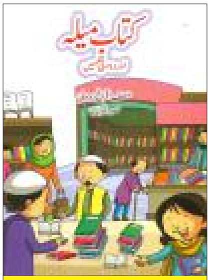

صفحات:12، قیمت:20 روپے

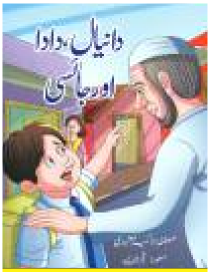
صفحات:12، قیمت: 20 روپے

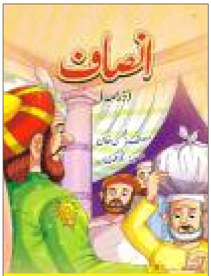

صفحات: 16، قیمت:25 روپے

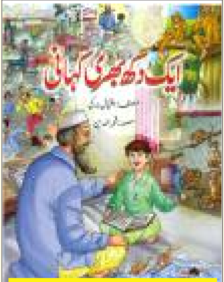

صفحات: 16، قیمت: 24 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.